

باطل آخرش مٹ ہی جاتا ہے

قال عبدالرحمن بن أبي حاتم قال سمعت أبا زرعة يقول: كتب إلى اسحاق ابن راهويه: لا يهولنك الباطل فان للباطل جولة ثم يتلاشى . (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ١ / ٣٤٢)

”ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابو زرعة رازی رحمہ اللہ سے سنا کہہ رہے تھے: اسحاق بن راہویہ نے مجھے لکھ بھیجا: باطل تمہیں بالکل بھی گھبراہٹ میں نہ ڈالے، یقیناً باطل کے لیے ایک بار شان و شوکت ہوتی ہے پھر مٹ جاتا ہے۔“

صبر کے مختصر فوائد

البقرة: ۵۵ میں آزمائش کے تین طریقوں کا ذکر ہے:

①..... دشمن کے ڈر سے، ②..... بھوک پیاس سے، ③..... نقصان سے۔

نیز اس آیت میں صبر کرنے والوں کے لیے تین خوش خبریاں ہیں:

①..... اُن پر اللہ تعالیٰ کی عنایات ہوں گی۔ ②..... اُن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔ ③..... یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔
البقرة: ۷۷ میں صبر کی تین اصناف بیان ہوئی ہیں: ①..... تنگی میں صبر، ②..... تکلیف میں صبر، ③..... مقابلے میں صبر۔
انحل: ۲۷ میں دعوت و تبلیغ پر تین نصیحتیں۔ ①..... صبر کریں، ②..... مخالفین کے حال پر رنجیدہ نہ ہوں، ③..... ان کے مکر و فریب سے تنگ دل نہ ہو۔

اللہ مع الصابرين کا قرآن میں چار بار ذکر ہے۔ البقرة: ۱۵۳، البقرة: ۲۴۹، الانفال: ۴۶، الانفال: ۶۶۔
آل عمران: ۲۰۰ میں کامیابی کے لیے چار باتوں کا حکم ہے: ①..... اے ایمان والو! ثابت قدم رہو، ②..... ایک دوسرے کو تھامے رکھو، ③..... جہاد کے لیے تیار رہو، ④..... اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔
النمل: ۴۱، ۴۲ میں آخرت کے بڑے اجر والوں کی چار صفات کا بیان ہے: ①..... اُنھوں نے ظلم برداشت کیے، ②..... پھر ہجرت کی، ③..... اُنھوں نے صبر کیا، ④..... وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے رہے۔
النمل: ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے مستحق لوگوں کی چار صفات کا ذکر ہے:
①..... انھیں دکھ دیا گیا، ②..... پھرت ہجرت کی، ③..... پھر جہاد کیا، ④..... اور صبر کیا۔

سورۃ ص اور سورۃ الانبیاء میں چار صابر انبیائے کرام کا ذکر ہے:

①..... اسماعیل علیہ السلام، ②..... ادریس علیہ السلام، ③..... ذوالکفل علیہ السلام، ④..... ایوب علیہ السلام

الحج: ۳۵ میں اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنے والوں کی چار صفات بیان ہوئی ہیں:

①..... جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ ②..... انھیں جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرتے ہیں۔
③..... وہ نماز قائم کرنے والے ہیں۔ ④..... جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

العنکبوت: ۵۸، ۵۹ میں عمدہ اجر پانے والوں کی چار صفات بیان ہوئی ہیں:

①..... وہ ایمان لاتے ہیں، ②..... نیک عمل کرتے ہیں۔ ③..... صبر کرتے ہیں، ④..... اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں

البقرة: ۲۵ میں دشمن کے مقابلہ میں دعائیں تین باتیں بیان ہوئی ہیں:

①..... صبر کی دعا، ②..... ثابت قدمی کی دعا، ③..... نصرت الہی کی دعا۔

لقمان: ۱۷ میں ہمت کے تین کام ذکر ہوئے ہیں: ①..... نماز قائم کرنا، ②..... امر بالمعروف و نہی عن المنکر ③..... جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنا۔
(فضل اکبر کا شمیری)

سراپدست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

11 شعبان المعظم 1434 ھ جمعة المبارک 21 تا 27 جون 2013ء

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

شماره 25 جلد 65

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
 ○ مولانا محمد اسحاق بھٹی
 ○ مولانا ارشاد الحق اشرفی
 ○ ملک عصمت اللہ قلعوی
 ○ حافظ حماد شاہر
 ○ حماد الحق نعیم
مدیر مسئول
 ○ حافظ احمد شاہر

مدیر مسئول

- © محمد سلیم چنیوٹی 0333-4786507
کمپوزنگ
© رضاء اللہ ساجد 0344-4656461

2	جواہر پارے	باطل آخرش مٹ ہی جاتا ہے
5	کلمہ طیبہ	صبر کے مختصر فوائد
7	اداریہ	
9	دریں قرآن	تفسیر سورة الضمّت..... (۹)
15	دریں ہدایت	”کتاب الإیمان“..... (۱۳)
21	تفہیم دین	صوم و صلاۃ کی پابندی اور حلال و حرام کی پاسداری
27	نقد و نظر	کیا اسلام کا مقصود اعتماد الیٰ قوٰی ہے؟..... (۱)
32	گوشہٴ خواتین	زیور سے زینت..... (۲)
38	تذکرۃ اہباب	محترم چودھری غلام حسین تھارڑیا..... (۲) آخری
44	تذکرہ علمائے اہل حدیث	علامہ ابو محمد عبدالحق الہاشمی الحمیری.....
50	شعر و ادب	آہستہ آہستہ

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج راج لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

12/-	روپے	:	فی پرچہ
500/-	روپے	:	سالانہ
200/-	ریال	}	: بیرونی ممالک سے
60/-	ڈالر امریکی		

بدلی اشراک

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

نا معلوم کو معلوم کریں

بلوچستان کے شہر زیارت میں دھماکہ نئی حکومت کے لیے دھچکا بھی ہے اور چیلنج بھی۔ خصوصاً ان حالات میں کہ نئی حکومت، علماء، سیاسی جماعتیں اور اب تک جو ہم سمجھے ہیں..... عدلیہ اور عسکری حلقے سب وطن عزیز کے امن و استحکام کے لیے طالبان نامی گروہ سے مذاکرات پر آمادہ بلکہ ان کو متفق بھی کہا جاسکتا ہے، ہو چکے تھے بلکہ شاید اب تک بھی ہیں۔ عالمی طاغوت نے وطن عزیز کے لیے اس جذبہ خیر کی بھنک پڑتے ہی شمالی پٹی پر ایک ڈرون حملہ داغ کران مثبت فیصلوں کے لیے کوشاں حلقوں کی محنت و خواہش پر پانی پھیر دیا بلکہ سبوتاژ کر دیا۔ اب وفاقی حکومت کے سیاسی ایثار کہ اس نے اکثریت کے باوجود وزارت اعلیٰ کی قربانی سے بلوچستان کے مسئلہ پر پوری قوم خصوصاً وفاقی حکومت کی مثبت پالیسی کا اعلان و عمل ہوتے ہی بلوچستان میں امن دشمن طاغوت کی اس حرکت سے طاغوت کی پاک دشمنی بلکہ بلوچستان میں تخریب کے خواہاں عالمی طاغوت نے اپنا خبث باطن ظاہر کر دیا۔

باری تعالیٰ کی معدنی نعمتوں سے مالا مال اور وسیع رقبے کے باعث ہوں ملک گیری میں مبتلا بعض ممالک اس خطے پر ایک عرصے سے لچائی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اس خطے میں مقیم بعض نادان دوست دشمن کی چکنی چڑی باتوں میں آ کر بسا اوقات انفرادی مفادات کو خطے کی ترقی و مفاد پر ترجیح بھی دینے لگ جاتے تھے لیکن یہ پیار و محبت کے ترسے لوگ ہیں انھیں محبت و شفقت سے جب بھی پکارا جائے تو یہ آ ملتے ہیں اور محبت و پیار قبول کرتے، اس سے متاثر ہوتے اور اس کا مثبت جواب دیتے ہیں۔

اس تازہ ترین خونی واردات نے پورے ملک کی فضا ہی نہیں ملک کے ہر فرد کو سو گوار کر دیا ہے اب تو سیاست کے راز ہائے درون خانہ کی ایک باخبر شخصیت جناب اختر مینگل بھی پکار اٹھے ہیں کہ ان واردات کی نہ پختون روایات اجازت دیتی ہیں اور نہ ہی بلوچ روایات میں ایسی واردات کا تصور کیا جاسکتا ہے یہ کوئی بیرونی ہاتھ ہی ہیں۔ اگر کسی حکومت کے کان، ناک اور آنکھیں ان ہاتھوں تک نہ پہنچ سکیں بلکہ ان ہاتھوں کو توڑ نہ سکیں تو پھر اس حکومت کو اپنی صلاحیت، کارکردگی اور حکومت کرنے کے جواز کا جواب خود ہی دینا ہوگا۔ گزشتہ دور حکومت میں تو بلوچستان میں اب تک ہونے والی دہشت گردی کی اس طرح کی خونی وارداتیں ”نا معلوم افراد“ کے ذمے لگتی رہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نئی مرکزی و صوبائی حکومتوں کو توفیق اور جرأت دے کہ وہ ”نا معلوم“ کو معلوم کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیں۔

دور حاضر کی سیاست کے کسی معروف استاد نے جمہوری سیاست کے دلدار گان کو یہ سنہری اصول بتایا ہوا ہے کہ جھوٹ اس کثرت سے بولو کہ سچ سمجھا جانے لگے، چنانچہ صلیب تو ایک عرصہ سے اسلام کو جنگ و قتال کا مذہب قرار دے رہا ہے۔ اب نیو ورلڈ آرڈر کے ایجنڈے کے مطابق مسلمانوں کو دہشت گرد، جنگجو، انتہا پسند یا کم از کم غیر معتدل پسند ہونے کا جھوٹ اس کثرت اور تواتر سے بولا جاتا رہا کہ اس دور میں پروان چڑھنے والی نسل کے ذہن میں یہ بات بالکل اسی طرح چپک چپکی ہے جس طرح اسلام کے قانون قصاص کو مغربی میڈیا نے غیر انسانی ہونے خصوصاً قصاص میں سرعام سزا کو انسانیت کی توہین قرار دے کر اس کے خلاف عالمی فضا کو اس قدر گدلا کر دیا کہ دین سے دور اور جاہل عوام مجرم سے ہمدردی کو مقدم رکھتے رہے اور جرم کی زہرناکی (جس کو اسلام نے مجرمانہ ذہنیت کی نمونہ کا باعث جانا) کو بھلانے کے کینسر میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ اب تک دلائل، یعنی اعداد و شمار کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جن ممالک میں اب تک جن جرائم کی سزا سرعام دی جاتی ہے ان جرائم کا گراف سزا نہ دینے والے ممالک میں بہت اونچا ہوتا ہے۔ مرکزی و صوبائی حکومتیں بد ظاہر جس مستعدی سے مجرم تلاش کر رہی ہیں اگر حکومت کا ہاتھ ان تک پہنچ جائے تو ان مجرموں کو صرف ایک بار سرعام سزا دے دیں پھر دیکھیں اس طرح کا جرم دوبارہ کیسے ہوتا ہے!

حصہ بقدر جثہ:

نئی حکومت کی صلاحیتوں کا پہلا اظہار بجٹ کی صورت میں سامنے آیا۔ بجٹ ہمیشہ سے مفروضات کا مجموعہ، توقعات کا حسیں باغ اور خوش فہمیوں کا خواب ہوتا ہے، لیکن ہوتا یہ دراصل ہندسوں کا گورکھ دھند ہی ہے۔ مقتدر جماعت درمدح خود طنزورہ سے سراید کے مطابق، خالی خزانے، ڈوبتے اقتصاد اور لڑکھڑاتی معیشت کے باوجود ایک ”بہترین“ بجٹ کی مالا چپ رہی ہے۔ اپوزیشن اس کے کیڑے نکال کر اس پر بھرپور تنقید کر رہی ہے۔ سامنے کی بات یہ ہے کہ قانوناً یا عملاً جن ٹیکسوں کا نفاذ یکم جولائی سے لاگو ہونے کی روایت تھی سرمایہ داروں، ذخیرہ اندوزوں اور دکانداروں نے رات کو اعلان ہوتے ہی صبح سے ہی وہ مفادات عوام کے جیبوں سے نکالنے شروع کر دیے۔ حکومت اس موقع پر اگر صرف اس دراز دستی اور سینہ زوری کو روک لیتی تو انتظامیہ اور منافع خوروں پر اس کی مضبوط گرفت کا بھرپور اور برملا اظہار ہو جاتا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ہم سمجھتے ہیں یہ ہماری خوش فہمی ہے وگرنہ مجموعی طور پر دور حاضر کی انسان کی ذہنی ساخت ایسی ہو چکی ہے کہ اس طرح کی اصول پسندی کو حماقت اور پگلا پن کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ہر قیمت پر، ہمیشہ خود غرضی صہیونیت کے اس عالمی روڈ میپ کا اہم جز وہ ہے جو اس نے دو سو سال قبل طے کیا تھا۔ حکومت کے ایک فیصد G.S.T (جنرل سیلز ٹیکس) لگانے سے کارخانہ دار اپنی مصنوعات کی 3 فیصد قیمت بڑھانے سے بھی گریز نہیں کر رہے۔ جب کہ سرکاری ملازمین خصوصاً گزٹڈ افسر تک کے ملازمین کے اخراجات میں ہر چیز کی قیمت میں 3 فیصد کا اضافہ کر دیا جائے تو بات کہاں سے کہاں تک جا پہنچتی ہے لیکن ان کی تنخواہوں میں اضافے کا بجٹ میں کوئی تذکرہ نہیں جس پر ملازمین سراپا احتجاج ہیں کہ اس اقدام کو حکومت کی صلاحیت بلکہ رفاہیت کا خوشگوار اظہار نہیں کہا جاسکتا۔ جناب وزیر خزانہ کے حسب ارشاد ملازمین کی تنخواہ نہ بڑھانے سے اور سرکاری و پرائیویٹ ملازمین کی تنخواہوں میں ٹیکس کی شرح بڑھانے..... 25% سے 30%، 35%..... سے ملک و قوم کی بہتری تو ممکن ہو سکتی ہے کہ ہر ملازم سودا باز سے خود خریدتا، جملہ بل خود ادا کرتا، علاج خود کرواتا اور جملہ سفری اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتا ہے تو جناب وزیر خزانہ اپنے ان خدام قوم..... سینٹ و اسمبلی ممبران..... کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جن کے یوٹیلٹی بلز، علاج، رہائش و آسائش، اندرون و بیرون ملک اسفار، سب کچھ سرکاری اور فری ہوتا ہے۔ آیا ان سے یہ عیاشانہ سہولیات واپس لینے سے وطن عزیز کو اربوں روپوں کا فائدہ نہیں ہو سکتا؟ واضح رہے کہ ان خدام قوم کو لاکھوں کے حساب سے ”جیب خرچ“ الگ، ترقیاتی فنڈز کے نام پر لوٹ کھسوٹ الگ اور قائمہ کمیٹیوں میں شامل ہونے کی سہولیات الگ ملتی ہیں۔ ان خدام قوم اور ارکان حکومت کے ٹیکس گوشوارے ملاحظہ کیے جائیں تو وہ ان کی غربت و افلاس کا روناروتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح جاگیر دار مزارع کا خون الگ چوستے ہیں..... بہت سے..... پانی الگ چوری کرتے ہیں۔ غلے کی..... مہنگائی کی خاطر..... ذخیرہ اندوزی الگ کرتے ہیں اور ان کی سینکڑوں ایکڑ اراضی ہر قسم کے ٹیکسز سے پھر بھی مستثنیٰ رہتی ہے کہ ملک کی حکمرانی انھی جاگیرداروں کے گرد گھومتی رہتی ہے۔ اسی طرح بہت سے صنعت کار بلکہ ان کی اکثریت گیس اور بجلی کے سرفے کی مرتکب بھی ہوتی ہے اور ان کے بلوں کے ناندہ نہ بھی۔

جناب وزیر خزانہ! اگر آپ کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں عوام نامی مخلوق کے بارے میں کوئی جذبہ تڑم ہے تو آپ ملازمین کو مزید پچھاڑنے یا ان کو مزید نچوڑنے کی بجائے مذکورہ طبقات پر ہاتھ ڈالیں تو ہمارا خیال نہیں یقین ہے کہ ملک و قوم کا بہت بھلا ہوگا۔ آج ہی آپ نے ایک تازہ بیان میں قوم کو مزید قربانی دینے کا سبق دیا ہے تو جس میں جتنا خون ہے اس سے اسی قدر قربانی لیں یعنی حصہ بقدر جثہ! پانچ لاکھ تنخواہ والا تو پہلے ہی ہر سال ایک لاکھ پچیس ہزار ٹیکس دیتا ہے اور لاکھوں روپے الاؤنس لینے والے ارکان اسمبلی..... وہ بھی کوئی کوئی..... سالانہ چند ہزار روپے کی ریٹرن جمع کراتے ہیں۔ ہم تو عادتاً یا امانتاً قلم چلاتے اور کاغذ سیاہ کرتے ہیں۔ وگرنہ آپ تو ہم سے بہت زیادہ باخبر ہیں کہ کن کن جھرنوں سے ہمارے مالیاتی گھیلے نشیب کی طرف جا کر اقتدار کی کیاریوں کی سیرابی کرتے اور ان کو سد باغ و بہار رکھنے کا سبب بنتے ہیں۔

تفسیر سورة الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

ملائکہ، جنات سب شامل ہیں۔ یہی سوال ایک اور مقام میں یوں ہے:

﴿أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمَ السَّمَاءُ بَنَاهَا ۝ رَفَعَ سَمَكَهَا ۝ فَسَوَّاهَا ۝ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ۝ وَالْأَرْضِ ۝ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ۝﴾ [النّازعات: ۲۷-۳۰]

”کیا پیدا کرنے میں تم زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اس نے اسے بنایا۔ اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اسے برابر کیا۔ اور اس کی رات کو تاریک کر دیا اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کر دیا۔ اور زمین، اس کے بعد اسے بچھا دیا۔“

ایک اور مقام پر یہی بات یوں بیان ہوئی ہے:

﴿لَخَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾ [المؤمن: ۵۷]

”یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا (کام) ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

آسمان اور زمین اپنی وسعتوں کے علاوہ، زمین میں پہاڑ، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ایک حکم سے بن گئے۔

﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا ۝ وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝﴾ [حم السجدة: ۱۱]

”پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ایک دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے کہا آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے، دونوں نے کہا ہم خوشی سے آ گئے۔“

جب ان کے بنانے میں کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور وہ ہمارے ایک حکم سے بن گئے تو انسان کی ان کے مقابلے میں کیا مجال ہے۔

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَهَمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ۝﴾

[الصّٰفّٰت: ۱۱، ۱۲]

”سو ان سے پوچھ کیا یہ پیدا کرنے کے اعتبار سے زیادہ مشکل ہیں، یا وہ جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ بے شک ہم نے انہیں ایک چپکتے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے۔ بلکہ تو نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑاتے ہیں۔“

پہلی آیات میں فرشتوں اور جنات کے بارے میں مشرکین مکہ جس غلط فہمی میں مبتلا تھے اس کا ازالہ کیا گیا ہے۔ آئندہ کی ان آیات میں قیامت کے بارے میں ان کی غلط فہم کی تردید ہے۔ اور بتلایا گیا ہے کہ قیامت کے روز ان کی آنکھیں کھل جائیں گی جب وہ اور ان کے معبودانِ باطلہ ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور انہیں ان کے معبودوں سمیت جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَهَمْ أَشَدُّ خَلْقًا﴾ الاستفتاء کے معنی ہیں ”کسی نئے امر کے لیے سوال کرنا۔“ یہ ”فتی“ سے ماخوذ ہے جس کے معنی نوجوان ہے۔ سوال کے جواب میں عالم جو لکھتا یا بتلاتا ہے اسے ”فتویٰ“ یا ”فتیا“ کہتے ہیں۔ یہ ”فتویٰ“ بھی اس لیے ہے کہ وہ جواب مضبوط اور قوی دلیل پر مبنی ہوتا ہے۔

یہ لوگ جو قیامت کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد جب جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور ہڈیاں گل سر جاتی ہیں تو اسے دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا۔ ان سے پوچھو کہ ان کا یعنی انسانوں کا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا دیگر مخلوق کو جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ اس مخلوق میں آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، دریا، سمندر، پہاڑ،

نہیں کہ ان جیسے اور پیدا کر دے؟ کیوں نہیں اور وہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“
﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّن طِينٍ لَّازِبٍ﴾ ”طین“ پانی میں ملی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں گواہی سے پانی کا اثر زائل ہی کیوں نہ ہو جائے۔
(مفردات)

گویا اس سے مراد گیلی مٹی یا گارا ہے۔ فرعون نے کہا تھا:

﴿فَأَوْقَدْ لِيَ يَهْلِكُنْ عَلَى الطِّينِ﴾ [القصص: ۳۸]

”اے ہامان! میرے لیے مٹی (گارے) پر آگ جلا۔“

اور اس سے اینٹیں تیار کرو۔

انسان کو اس مٹی سے بنایا ہے۔ اس کے پاس نہ مٹی کی کمی ہے نہ ہی اس کی قدرت تخلیق میں کوئی کمی آئی ہے وہ جب چاہے گا اس سے انسان کو دوبارہ بنا لے گا۔ جب پہلی بار اس مٹی سے انسان کا بنانا کچھ مشکل نہیں ہوا تو آئندہ یہ مشکل کیسے ہو جائے گا؟ کسی چیز کو پیدا کرنا مشکل تب ہو سکتا ہے جب مادہ میں استعداد نہ ہو یا پیدا کرنے والے میں قدرت نہ ہو۔ لیس دار مٹی میں جب یہ صلاحیت ختم نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ بھی ہر چیز پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جب مرکب مٹی ہو جاؤ گے تو اسی مٹی سے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا مشکل کیسے ہوگا؟

﴿خَلَقْنَاهُمْ﴾ سے یہاں مراد حذف مضاف کے اصول پر ”خلقنا اہلہم“ ہے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہر انسان ہو۔ اس لیے کہ ہر انسان نطفہ سے بنتا ہے۔ اور نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون غذا سے بنتا ہے اور غذا، خواہ حیوانی ہو یا نباتاتی،..... غذائے حیوانی کی اصل بھی نباتات ہی ہے..... اس کی اصل نباتات ہیں اور نباتات مٹی اور پانی سے یعنی ”طین لازب“ سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب یہ حقیقت ہے تو ہر انسان بھی گویا ”طیب لازب“ سے پرورش پا رہا ہے۔ یوں یہ مٹی حیات کا سبب ہے اور مسبب الاسباب اور خالق کل بہر نوع قادر مطلق ہے۔ نہ مٹی کی یہ قوت حیات ختم ہوتی نہ خالق کی صفت میں کوئی کمی آئی ہے۔ اس لیے اس مٹی سے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا انسان کو دوبارہ بنا لے گا۔

(باقی صفحہ نمبر ۳۳ پر ملاحظہ کیجیے)

بعض نے کہا ہے کہ اس میں پہلی اقوام و امم بھی شامل ہیں جو مشرکین مکہ سے قوت و سطوت میں کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ (قرطبی)
تو م عادتو کہتی تھی:

﴿مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم السجدہ: ۱۵]

”ہم سے قوت میں کون زیادہ سخت ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَكَايْنٍ مِّن قُرَيْبٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قُرَيْبِكَ الَّتِي

أَخْرَجْتَكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ﴾ [محمد: ۱۳]

”اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو تیری اس ہستی سے قوت میں زیادہ تھیں جس نے تجھے نکالا، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، پھر کوئی ان کا مددگار نہ تھا۔“

بلکہ بعض مفسرین نے تو کہا ہے کہ یہ آیت ابوالاشد بن کلدہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (قرطبی، آلوسی، ابن عبدالسلام وغیرہم)

جو بڑا طاقت ور اور سخت جان تھا۔ مگر کسی مستند روایت میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ پہلی امتیں بلاشبہ شان و شوکت اور اپنی قوت و سطوت میں بہت زیادہ تھیں۔ مگر اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آسمان وزمین وغیرہ اور فرشتے اور جنات مراد ہیں۔ کوئی انسان ہو یا امت ان کی اور مخاطبین کی پیدائش میں کوئی فرق نہیں۔ برعکس آسمان وزمین، پہاڑ، سمندروں، سورج، چاند، ستاروں اور ملائکہ و جنات کے۔ اور اس میں کوئی ریب نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا پیدا کرنا مخاطبین کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل ہے اور وہ قوت و وجود کے اعتبار سے بھی ان سے زیادہ بڑے ہیں۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ اس بڑی بڑی مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو انسان کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے مشکل کیونکر ہے؟ یہی استدلال ایک مقام پر یوں بیان ہوا ہے:

﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾

[یس: ۸۱]

”اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر

تحفۃ الاخوان ترجمہ کتاب الایمان

ترجمہ: ابو حمزہ عبدالحمید المرئی

تعالوا نذكر الله بطاعته، لعله يذكرنا بمغفرته .

”حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے کچھ ساتھیوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے کہ آؤ کچھ گھڑی ایمان لے آئیں، آؤ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تاکہ ایمان زیادہ ہو، آؤ اللہ تعالیٰ کی یاد اس کی اطاعت سے کریں تاکہ وہ ہمیں مغفرت میں یاد کرے۔“

۱۱۷۔ عن علي رضي الله عنه قال: إن للإيمان ثلاث أثافي: الإيمان، والصلاة، والجماعة، فلا تقبل صلاة إلا في الإيمان، فمن آمن صلى، ومن صلى جامع، ومن فارق الجماعة قيد شبر، خلع رقبته الإسلام عن عنقه .

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایمان کے تین چھوٹے ستون ہیں: ۱۔ ایمان، ۲۔ نماز، ۳۔ جماعت۔ ایمان کے بغیر نماز قبول نہیں، جو ایمان لایا اس نے نماز پڑھی اور جس نے نماز پڑھی، اس نے جماعت اختیار کر لی اور جس نے (مسلمانوں کی) جماعت سے ایک بالشت بھر علیحدگی کی تو اس نے اپنی گردن کو اسلام سے آزاد کر لیا، یعنی وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔“

☆ ”أثافي“ اثفية کی جمع ہے، اثفية اس پتھر کو کہتے ہیں جس پر ہنڈیا رکھتے ہیں۔

۱۱۸۔ عن أبي أمامة قال: قال رسول

الله ﷺ: الحياء والعبي شعبتان من الإيمان .

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ (صدی بن عجلان) کا بیان ہے کہ

۱۱۵۔ عن زبيد قال: قال رسول الله ﷺ:

كيف أصبحت يا حارث بن مالك؟ قال: أصبحت مؤمناً، قال: إن لكل حق حقيقة، قال: أصبحت قد عزفت نفسي عن الدنيا، فأسهرت ليلي، وأظمأت نهاري، ولكأنما أنظر إلى عرش ربي قد أبرز للحساب، ولكأنني أنظر إلى أهل الجنة يتزاورون في الجنة، ولكأنني أسمع عواء أهل النار، قال؟ فقال له: عبد نور الله الإيمان في قلبه، أو عرفت فالزم . (معضل)

”زبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حارث بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تو نے کیسے صبح کی؟ عرض کیا: ایمان کی حالت میں۔ فرمایا کہ ہر بات کی حقیقت ہوتی ہے۔ عرض کیا: میں نے صبح کی اس حال میں کہ اپنے آپ کو دنیا سے الگ تھلگ کر لیا، رات کو بیدار رہا دن کو پیاسا رہا گویا کہ میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں جو حساب کے لیے ظاہر ہو گیا اور گویا میں اہل جنت کو جنت میں ایک دوسرے کی ملاقات کرتے دیکھ رہا ہوں اور اسی طرح دوزخیوں کی چیخ و پکار سن رہا ہوں۔ تو فرمایا کہ ”بندے کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نور ایمان سے منور کر دیا، جب پتا چل گیا تو پھر ڈٹ جا۔“

۱۱۶۔ كان عبد الله بن رواحة يأخذ بيد النفر من أصحابه فيقول: تعالوا فلنؤمن ساعة، تعالوا فلنذكر الله ولتزدادو إيماناً،



رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حیا اور زبان بندی (کہ کہیں غلط بات منہ سے نہ نکال لیں) ایمان کے دو حصے ہیں، یعنی کم از کم گفتگو کرنا لیکن حق بات دینی تعلیم اور نیکی کے کاموں میں زبان بند کرنا درست نہیں۔“

۱۱۹۔ عن ابن بريدة قال: وردنا المدينة فأتينا عبد الله بن عمر فقلنا: يا أبا عبد الرحمن إنا نمنع في الأرض فنلقى قوما يزعمون أن لا قدر، فقال: من المسلمين ممن يصلي للقبلة؟ فقال: نعم ممن يصلي للقبلة، قال: فغضب حتى وددت أني لم أكن سألته، ثم قال إذا لقيت أولئك فأخبرهم أن عبد الله بن عمر منهم بريء، وأنهم منه براء، ثم قال: إن شئت حدثتك عن رسول الله ﷺ؟ فقال: أجل قال: كنا عند رسول الله ﷺ، فأتى رجل جيد الثياب، طيب الريح، حسن الوجه، فقال: يا رسول الله ما الإسلام؟ قال رسول الله ﷺ: تقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت، وتغتسل من الجنابة، قال: صدقت، ثم قال: يا رسول الله ما الإيمان؟ فقال رسول الله ﷺ: تؤمن بالله واليوم الآخر، والملائكة، والكتاب والنبين، وبالقدر خيره وشره، وحلوه ومره، قال: صدقت، ثم انصرف، فقال رسول الله ﷺ: علي بالرجل، قال: فقمنا بأجمعنا فطلبناه، فلم نقدر عليه، فقال النبي ﷺ: هذا جبريل عليه السلام جاءكم يعلمكم أمر دينكم.

”ابن بريدة رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم مدینہ آ کر حضرت عبد اللہ بن

عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! ہم زمین میں پھرتے ہیں کچھ لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی تقدیر نہیں ہے۔ پوچھا کہ قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والے مسلمان ہیں؟ جواب دیا: ہاں۔ وہ قبلہ رخ نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ تو وہ اتنے غصے میں آ گئے۔ میں نے (دل میں) کہا کہ کاش میں نے ان سے نہ پوچھا ہوتا۔ پھر فرمایا: جب تم ان سے ملو تو انھیں کہنا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان سے بری ہیں اور وہ ان سے بری ہیں، پھر کہا: اگر تو چاہے تو میں حدیث رسول بیان کروں، میں نے عرض کیا: کہ ہاں۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک آدمی اچھے لباس، بہترین خوشبو، خوب صورت شکل کا آیا اور پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا: نماز پڑھو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، حج کرو، پلیدی سے غسل کرو۔ اس نے کہا کہ سچ فرمایا۔ پھر سوال کیا ایمان کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے جواباً فرمایا: تو اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتب سماویہ، انبیاء اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لے آئے۔ اس نے کہا کہ سچ فرمایا۔ پھر وہ واپس چلا گیا۔ اچانک آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کو فوراً میرے پاس بلاؤ، تو ہم سب کے سب نے تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں دینی باتیں سکھانے کے لیے آئے تھے۔“

۱۲۰۔ عن علي رضي الله عنه: إن الطهور شطر الإيمان.

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طہارت (پاکیزگی) آدھا ایمان ہے۔“

۱۲۱۔ عن أبي مالك الأشعري أن رسول الله ﷺ كان يقول: الطهور نصف الإيمان.

”حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: طہارت آدھا ایمان ہے۔“

صوم و صلاۃ کی پابندی اور حلال و حرام کی پاسداری

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

شرح الحدیث:

اس حدیث میں ان امور کا ذکر کیا گیا ہے جو امیر و غریب تمام مسلمانوں پر فرض ہیں۔ زکاۃ صاحب نصاب جب کہ حج صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ جب اس آدمی (نعمان بن قوئل خزاعی رضی اللہ عنہ) نے سوال کیا اس وقت تک زکاۃ اور حج اسلامی کی فرضیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ (یہ نعمان بدری صحابی ہیں، غزوہ احد (۳ھ) میں شہید ہوئے تھے) بعض اوقات راوی روایت کو مختصر بھی بیان کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے عدم ذکر عدم شے کو مستلزم نہیں۔

اس حدیث میں کلمہ طیبہ کا تذکرہ بھی نہیں کیا گیا کیونکہ سائل مسلمان تھا۔ بعض دیگر احادیث میں کچھ اور امور کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جن میں توحید و رسالت، زکاۃ، حج، تقویٰ، جہاد، اطاعت امیر اور صلہ رحمی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ کیجیے:

۱: من عبد الله لا يشارك به شيئا، واقام الصلاة، اتى الزكاة وصام رمضان، واجتنب الكبائر فله الجنة. (مسند احمد: ۲۲۴۰۳، نسائی: ۳۷۴۳)
”جو اللہ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، نماز قائم کرے، زکاۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے اس کے لیے جنت ہے۔“

۲: ایک آدمی نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا:

تعبد الله لا تشرك به شيئا وتقيم الصلاة وتؤتي الزكاة وتصل الرحم.

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۳۹۶)

ابو عبد اللہ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں فرض نمازیں ادا کروں، رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال جب کہ حرام کو حرام سمجھوں، اور اس سے زیادہ کوئی عمل نہ کروں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۵)

حرمت الحرام کا معنی ہے حرام سے اجتناب کروں۔ احللت الحلال کا معنی ہے حلال کام کو حلال جانتے ہوئے اس پر عمل کروں۔

راوی الحدیث:

اس حدیث کے راوی جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ مدینے کے مشہور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے بچپن میں ہی اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ جا کر عقبہ کے مقام پر اسلام قبول کیا۔ آپ کے والد عبد اللہ بن عمرو غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ آپ نو بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ غزوہ احد کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ بیعت رضوان کے موقع پر بھی موجود تھے۔

آپ نے طلب حدیث کی خاطر کئی سفر کیے، ایک دفعہ تو صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لیے مدینے سے مصر کا طویل سفر طے کیا۔

آپ کا شمار مکثرین فی الحدیث صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۱۵۴۰ ہے۔ ان میں سے ۵۸ روایات متفق علیہ ہیں اور ۲۶ صحیح بخاری میں ہیں۔

جابر رضی اللہ عنہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپ نے ۹۴ سال کی عمر میں ۷۸ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

ہے میں اس میں سے کچھ بھی کم نہیں کروں گا۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

افلح ان صدق، او دخل الجنة ان صدق .

(صحیح بخاری، رقم الحديث: ۴۶ - صحیح

مسلم، رقم الحديث: ۱۱)

”وہ فلاح پا گیا اگر اس نے سچ کہا یا (فرمایا) جنت میں داخل ہو گیا اگر اس نے سچ کہا۔“

۵: حنظل بن ثعلبہ نبی ﷺ کے پاس آئے، آپ نے ان سے پانچ

نمازوں، روزے، زکاۃ، حج اور تمام احکام اسلام کا تذکرہ کیا۔

جب آپ فارغ ہوئے تو اس نے کہا: اشہد ان لا اله الا

الله واشہد ان محمدا رسول الله .

میں ان فرائض کو ادا کروں گا، جس سے آپ نے مجھے منع کیا ہے

میں اس سے اجتناب کروں گا، نہ میں اضافہ کروں گا نہ کمی۔ اللہ کے

رسول ﷺ نے فرمایا:

ان صدق دخل الجنة . (مسند احمد: ۲۱۴۲)

”اگر اس نے سچ کہا ہے تو جنت میں داخل ہوگا۔“

۶: حذیفہ الوداع میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

ايها الناس! اتقوا الله، وصلو خمسكم،

وصوموا شهركم وادوا زكاة اموالكم،

واطيعوا اذا امركم، تدخلوا جنة ربكم .

(ترمذی: ۶۱۶، مسند احمد: ۲۲۱۴۰، حاکم:

۵۲/۱)

”لوگو! اللہ سے ڈرو، پانچ نمازیں پڑھو، رمضان کے روزے

رکھو، اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرو، اپنے امیر کی اطاعت کرو تم

اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

ان احادیث میں دخول جنت کے بعض اسباب ذکر کیے گئے

ہیں۔ ان اعمال کی بنا پر جنت تہی ملے گی جب ان اعمال کی شرائط

کو بھی پورا کیا جائے گا، مثلاً: تمام اعمال کی قبولیت کے لیے خلوص کا پایا

”اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز

قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔“

۳: ایک اعرابی نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول!

مجھے ایسا عمل بتائیں جب میں وہ عمل کروں تو جنت میں داخل

ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تعبد الله لا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة

المكتوبة، وتؤدى الزكاة المفروضة وتصوم

رمضان .

”اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، فرض

نماز ادا کرو، فرض زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔“

اس آدمی نے کہا: اس ہستی کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ

مبعوث کیا ہے میں اس پر کبھی کسی چیز کا اضافہ نہیں کروں گا اور اس میں

کمی بھی نہ کروں گا۔ جب وہ واپس پلٹا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

من سره ان ينظر الى رجل من اهل الجنة

فلينظر الى هذا . (صحیح بخاری، رقم الحديث:

۱۳۹۷ - صحیح مسلم، رقم الحديث: ۱۴)

”جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ کسی جنتی آدمی کو دیکھے تو وہ اس

شخص کو دیکھ لے۔“

۴: پراگندہ بالوں والا ایک اعرابی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا

اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیے کہ اللہ نے نماز میں

سے مجھ پر کیا فرض کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازیں، الا

یہ کہ تم نفل نماز پڑھو۔ اس نے کہا: مجھے بتائیے کہ اللہ نے مجھ پر

روزوں میں سے کیا فرض کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: رمضان

کے روزے، سوائے اس کے کہ تم نفلی روزے رکھو۔ اس نے کہا

کہ مجھے بتائیے کہ اللہ نے مجھ پر زکاۃ میں سے کیا فرض کیا ہے؟

اللہ کے رسول ﷺ نے اسے احکام اسلام بتائے۔ اس شخص نے

کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مکرم بخشی

ہے! میں کوئی نوافل ادا نہیں کروں گا اور اللہ نے جو مجھ پر فرض کیا

الحديث : ٥٩٨٤ - صحيح مسلم، رقم الحديث : ٢٥٥٦

”قطع جمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

لا يدخل الجنة من في قلبه مثقال ذرة من كبر . (صحيح مسلم، رقم الحديث : ٩١)
”جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔“

لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا . (صحيح مسلم، رقم الحديث : ٥٤)

”تم جنت میں داخل نہیں ہو گے حتیٰ کہ تم مومن بن جاؤ، اور تم (حقیقی) مومن نہیں بنو گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔“
إذا خلص المؤمنون من النار جلسوا بقنطرة بين الجنة والنار فيتقاصون مظالم كانت بينهم في الدنيا .

(صحيح بخاری، رقم الحديث : ٢٤٤٠)
”جب مومنوں کو جہنم سے رہائی ملے گی تو وہ جنت و جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیے جائیں گے، اور وہ اپنے درمیان دنیا میں ہونے والے مظالم اور زیادتیوں کا قصاص لیں گے۔“

نوٹ : ان جیسی احادیث سے ان احادیث کا معنی و مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جن میں محض توحید اپنانے کی بنا پر جنت میں داخلے کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔

حدیث زیر بحث میں نعمان بن قوئل رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا:

احللت الحلال و حرمت الحرام .

”میں حلال کو حلال جانوں اور حرام کو حرام قرار دوں۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ حلال چیزوں کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے انھیں استعمال کروں اور حرام کو حرام جانتے ہوئے ان

جاننا ضروری ہے۔ نیز دخول جنت کے موانع سے بچنا بھی لازمی ہے۔ اس کی ایک دلیل بشیر بن خصاصیہ کی روایت بھی ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے پس آیا تاکہ آپ کی بیعت کروں۔ آپ نے مجھ پر (بیعت کے وقت) یہ شرط عائد کی، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں، یہ کہ میں نماز قائم کروں، زکاۃ ادا کروں، حج اسلامی ادا کروں، رمضان کے روزے رکھوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! دو چیزوں جہاد اور صدقہ (زکاۃ) کی واللہ میں طاقت نہیں رکھتا، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، پھر آپ نے اسے حرکت دی اور فرمایا:

فلا جهاد ولا صدقة فبم تدخل الجنة اذا .

”نہ جہاد نہ زکاۃ تو پھر تم جنت میں کیسے داخل ہو گے۔“

میں نے کہا: اللہ کے رسول ٹھیک ہے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ میں نے ان سب امور پر آپ کی بیعت کی۔

(مسند احمد : ٢٢٢٩٨)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد و زکاۃ کے بغیر یہ اعمال دخول جنت کے لیے کافی نہیں ہیں۔ (دیکھیے جامع العلوم والحکم، ص: ٢٤٩)
قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب دخول جنت میں رکاوٹ ہے۔ (جہنم سے بچ کر) جنت میں داخلے کے لیے کبار سے بچنا بھی ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ

سَيِّئَاتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا﴾ [النساء: ٣١]

”اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمھیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تم سے تمھاری چھوٹی برائیاں دور کر دیں گے اور تمھیں باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے۔“

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لا يدخل الجنة قاطع . (صحيح بخاری، رقم

نبی اکرم ﷺ کی مخفی عبادت کا حال جان کر بعض حلال چیزوں سے بچنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ کسی نے کہا: میں اب کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کسی نے کہا: میں عورت (بیوی) سے ازدواجی تعلقات قائم نہیں کروں گا۔

کوئی کہتا ہے: میں فرش خاک پر سوؤں گا کبھی بستر پر نہ لیٹوں گا۔ نبی ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ میں تو (نفلی) روزہ رکھتا بھی ہوں چھوڑتا بھی ہوں۔ سوتا بھی ہوں اور نماز (تہجد) بھی پڑھتا ہوں۔ گوشت بھی کھاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں۔ (یاد رکھو) جو میرے طریقے سے ہٹ گیا وہ مجھ میں سے نہیں (اس کا میرے ساتھ تعلق نہیں)۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۵۰۶۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۴۰۱، مسند احمد: ۲۴۱/۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرانا جائز نہیں اسی طرح اس کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دینا بھی درست نہیں۔ تاہم حلال چیزوں کا استعمال تمام حالات میں لازم نہیں۔ البتہ حرام سے بچنا، اضطراری حالات کے علاوہ، ہر حال میں لازم ہے۔

ظاہر ہے حلال سے وہی چیزیں مراد ہیں جو حرام نہیں ہیں جس میں واجب، مندوب اور مباح سب شامل ہیں جو انھی پر عمل کرتا ہے جنت میں داخل ہوگا۔ جو حرام سے اجتناب کرے گا وہ لازماً واجبات پر عمل کرے گا کیونکہ واجبات کو چھوڑنا محرمات میں سے ہے۔ حدیث (زیر بحث) سے مقصود یہ ہے کہ جو شخص واجبات پر عمل پیرا ہو اور محرمات سے باز رہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(دیکھیں شرح الاربعین النووی از مصلح الدین محمد اللاری، ص: ۲۱۶) فرائض و واجبات کی پاسداری اور ممنوعات و محرمات سے پرہیز کرنا، جنت میں داخلے کے لیے کافی ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے فرائض اور محرمات کے بارے میں ہی پوچھا جائے گا۔ تاہم نفل عبادات و اعمال کی پابندی بھی دخول جنت اور حصول قرب الہی کے

سے اجتناب کروں۔

تحلیل و تحریم سے مراد حلال کام کرنا اور حرام سے بچنا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے تحت امام نووی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے۔ جو کفار حرمت والے مہینوں کی حرمت کو تبدیل کرتے تھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحْلِلُونَ عَمَّا وَعَدُوا مُؤْنَةً عَمَّا لِيُؤْطِنُوا عِدَّةً مَّا حَرَّمَ اللَّهُ﴾ [التوبة: ۳۷]

”حقیقت یہی ہے کہ مہینوں کو پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے، جس کے ساتھ وہ لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں جنہوں نے کفر کیا، ایک سال اسے حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام کر لیتے ہیں، تاکہ ان کی گنتی پوری کر لیں جو اللہ نے حرام کیے ہیں۔“

مراد یہ ہے کہ وہ حرمت والے مہینے میں ایک سال قتل کرتے ہیں تو وہ اسے حلال قرار دے لیتے ہیں جب کہ دوسرے سال اس میں جنگ سے رک جاتے ہیں تو اس طرح وہ اسے حرام قرار دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتٍ مَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝﴾ [المائدة: ۸۷، ۸۸]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور اللہ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے حلال، طیب کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو۔“

یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جنہوں نے

اسباب میں سے ہے اور باعث فضیلت و عظمت ہے۔ حتیٰ کہ فرائض کی کمی کو نوافل کے ذریعے ہی پورا کیا جائے گا۔

ارشاد نبوی ہے:

”قیامت کے روز لوگوں کے اعمال میں سے جس عمل کا (حقوق اللہ میں سے) سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔ ہمارا رب عز و جل فرشتوں سے فرمائے گا حالانکہ وہ (پہلے خوب جاننے والا ہے) میرے بندے کی نماز دیکھو۔ کیا اس نے اسے پورا کیا ہے یا اس میں کوئی کمی ہے؟ تو اگر وہ مکمل ہوئی تو پوری کی پوری لکھ دی جائے گی اور اگر اس میں کوئی کمی ہوئی تو فرمائے گا کہ دیکھو! کیا میرے بندے کے نوافل بھی ہیں؟ اگر نوافل ہوئے تو وہ فرمائے گا کہ میرے بندے کے فرضوں کو اس کے نفلوں سے پورا کر دو، پھر اسی انداز سے دیگر اعمال لیے جائیں گے۔“

(ابوداؤد: ۸۶۴، مسند احمد: ۴۲۵/۲)

نوٹ: حقوق العباد میں سے سب سے پہلے خون (قتل) کا حساب لیا جائے گا۔ (صحیح بخاری: ۵۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۸)

مولانا عمر فاروق سعیدی لکھتے ہیں:

”کچھ صالحین کا کہنا ہے کہ سنن و نوافل کی پابندی فرائض پر پابندی کے لیے ہمیز کا کام دیتی ہے اور جو شخص سنن میں غفلت کرتا ہے عین ممکن ہے فرائض میں غفلت کا مرتکب ہو جائے۔ وہ احادیث جن میں رسول اللہ ﷺ نے کچھ نو مسلم بدویوں کو صرف فرائض کی پابندی کے عہد پر انھیں جنت کی خوشخبری دی ہے، وہ اوّل تو ابتداء اسلام کی بات ہے۔ یہی لوگ جوں جوں حق کو سمجھتے گئے، نوافل میں بہت آگے بڑھتے چلے گئے جیسے کہ ان کی سیرتیں واضح کرتی ہیں۔ دوسرے، رسول اللہ ﷺ کی صحبت مبارکہ سے انھیں ایسا تزکیہ حاصل ہو جاتا تھا کہ ان کے فرائض بھی اس اعلیٰ پائے کے ہو جاتے تھے کہ وہ نوافل نہ بھی پڑھتے تو ان کی کامیابی کی ضمانت زبان رسالت سے جاری ہوگئی تھی، لہذا دیگر مسلمانوں کا اس معاملے میں اپنے آپ کو ان پر قیاس

کرنا صحیح نہیں ہے اور صرف فرائض پر تکیہ کرنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ یوم الحسرة کو پیش نظر رکھتے ہوئے مزید درمزد تقرب الی اللہ کی کوشش کرنی چاہیے۔ (شرح سنن ابوداؤد: ۶۴۰/۱)

نیکوں کو معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ جن کی نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہوں گی وہی جنت میں جائیں گے۔ جن کی نیکیاں کم ہوں گی وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں وہ مقام اعراف پر عرصہ دراز تک انتظار میں رہیں گے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لا تحقرن من المعروف شیئا ولو ان تلق

اخاک بوجه طلق. (صحیح مسلم: ۱۴۴)

”بھلائی میں سے کسی چیز کو ہرگز حقیر نہ سمجھ خواہ (اتنا ہی ہو کہ) تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے۔“

فقہ الحدیث:

۱: نماز کی پابندی اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں ہی سوال کیا جائے گا۔ (حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا فیصلہ کیا جائے گا۔)

۲: رمضان المبارک کے روزے ارکان اسلام میں سے ہیں جو امیر و غریب سب پر فرض ہیں۔

۳: شرعی اور دینی مسائل پوچھنے کا مقصد ان پر عمل کرنا ہونا چاہیے۔

۴: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے دی گئی ہدایات پر عمل پیرا ہو جاتے تھے۔

۵: مسلمانوں کو حسب استطاعت ہی شرعی احکام کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے، کیونکہ یہ آسان دین ابراہیمی ہے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶]

اور ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾

[البقرة: ۱۸۵]

میں یہی اعلان کیا گیا ہے۔

ہے۔ اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو امن و امان کا دور دورہ ہو جائے گا، لوگوں کا باہمی تعلق مضبوط ہوگا اور ان کے باہمی لڑائی جھگڑے رک جائیں گے۔

۱۴: احادیث کا معنی و مفہوم متعین کرنے کے لیے دیگر احادیث کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۵: اسلام کے تمام احکام پر عمل کرنا چاہیے۔ شرعی احکام نازل ہو جانے کے بعد ہی شریعت کا حصہ بنتے ہیں۔ ان کا نزول سے قبل ان پر عمل نہیں ہوتا۔

(محرمات کا بھی یہی معاملہ ہے جو چیزیں پہلے حرام نہ تھیں ان کا مرتکب گناہ گار نہیں ہوگا، مثلاً: حرمت نمر سے پہلے نہ کرنا۔)

۱۶: اگر سوال کے جواب میں ابہام نہ ہو تو ”ہاں“ اور ”ناں“ میں بھی جواب دیا جاسکتا ہے۔

۱۷: نبی ﷺ کو حق حاصل تھا کہ اپنے علم نبوی کی بنا پر کسی معین شخص کو جنتی یا جہنمی قرار دیں۔ (دلیل وحی کے بغیر کسی معین شخص کو جنتی یا جہنمی کہنا درست نہیں۔)

۱۸: معمولی سے معمولی نیکی کو بھی حقیر اور معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ (ایک نیکی بھی بعض اوقات انسان کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے اور پیش آمدہ مشکل سے نجات دلا سکتی ہے۔)

۶: جنت خیالی اور تصوراتی چیز نہیں بلکہ جسمانی وجود رکھتی ہے۔

(دیکھیے تفسیر معارف البیان)

۷: مسلمانوں میں حصول جنت کی فکر اور آرزو پائی جانی چاہیے اور ان اسباب و وسائل کو ڈھونڈنا چاہیے جو جنت میں پہنچانے والے ہیں۔

۸: جنت، خالی خولی خواہشات اور جھوٹی تمناؤں سے نہیں بلکہ اعمال سے ملے گی۔

۹: جو فرائض و واجبات کی پابندی کرے اور ممنوعات و محرمات سے گریز کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

۱۰: نفل عبادات و اعمال کو چھوڑنے کا جواز موجود ہے بشرطیکہ غفلت، تحقیر و استخفاف اور استہزاء کی بنا پر نہ ہو۔ (شرعی احکام و مسائل کا مذاق اڑانا کفر ہے۔)

۱۱: لوگوں کے احوال کو مد نظر رکھا جائے ممکن ہے مسائل نیا نیا مسلمان ہوا ہو، اس پر آسانی کی جائے۔ جب اس کا اسلام حسین اور ایمان قوی ہو جائے گا تو وہ تکالیف شرعیہ کو فراخ دلی سے قبول کرے گا۔

۱۲: حلال و حرام کا تعلق بھی دین سے ہے ساتھ ہے۔ لوگوں کی پسند اور ناپسند کسی چیز کو حلال یا حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۱۳: حرام سے بچنا اور حلال کھانا فرد اور معاشرے کی اصلاح کا باعث

ضرورت برائے رشتہ

خلع یافتہ لڑکی، عمر 24 سال، علوم اسلامیہ سے آراستہ، قوم آرائیں (ضلع اوکاڑا) کے لیے متدین ہم پلہ کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ نمبر: 0300-6963020

دورہ تفسیر القرآن (ملتان)

مرکز ابن القاسم الاسلامی ملتان میں 27 شعبان المعظم تا 27 رمضان المبارک 1434ھ دورہ تفسیر القرآن منعقد ہوگا۔ جس میں مکمل قرآنی ترجمہ و تفسیر صرف و نحو کروایا جائے گا۔ کالج اور یونیورسٹی کے طلباء داخلے کے لیے رابطہ کریں۔ سحری و افطاری کا مکمل انتظام ہوگا، ان شاء اللہ۔ فارغ طلباء میں اسناد و انعامات تقسیم کیے جائیں گے۔

(حافظ ریاض احمد عاقب اثری، اسٹنٹ حافظ عبدالحمد عابد، اسٹنٹ محمد صدیق حامد، مدرسین جامعہ ہذا۔ موبائل نمبر: 0313-6218419)

کیا اسلام کا مقصود اعتدال قوی ہے؟

مواہب الرحیم

وعید گناہوں سے انسان کو روکتی ہے، مثلاً: زنا وغیرہ سے روکتی ہے۔ جس سے ان کے بقول قوتِ بہیمی اعتدال پر آ جاتی ہے۔ وعید ظلم و زیادتی سے بھی روکتی ہے جس سے ان کے ہاں قوتِ سبعی کو اعتدال ملتا ہے، اور عبادت خواہ وہ کسی کی بھی ہو ان کے بقول قوتِ ملکی کا نتیجہ ہے۔ اس طرح یہ غرض تمام مذاہب سے حاصل ہو جاتی ہے، یوں تو اتنی وضاحت ہی اس عقیدے کے بطلان کے لیے کافی ہے جس سے دین اسلام کی حیثیت دوسرے مذاہب کی سی ہو جائے یا قائل کے اُس قول کے مطابق ہو جائے ”قوی میں اعتدال تو ہر مذہب سے حاصل ہو جاتا ہے مگر اسلام اس میں ذرا دوسروں کی نسبت بہتر نتائج دینے والا ہے۔“

اس تقسیم کو بیان کرنے والا افلاطون تھا۔ افلاطون کے نزدیک انسان کے تین قوی ہیں: قوتِ العاقلہ، قوتِ الغضبیہ، قوتِ الشہوانیہ۔ اور فضائل چار ہیں: حکمت، شجاعت، عفت، عدالت۔ قوتِ عاقلہ کا کمال حکمت ہے، قوتِ عاقلہ کے صحیح استعمال سے جو فضیلت پیدا ہوتی ہے وہ حکمت ہے، قوتِ غضبیہ کو درست استعمال کریں تو جو فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ شجاعت ہے، اور قوتِ شہوانی کا کمال عفت (پاک دامنی) ہے۔ پھر یہ تینوں قوتیں متناسب اور معتدل نظام چاہتی ہیں۔ جب ان میں تناسب اور اعتدال پیدا ہو جائے تو اصل کمال حاصل ہوتا ہے جس کا نام ”عدالت“ ہے۔ افلاطون کا خیال ہے کہ انسان ان تینوں قوتوں کے کمال کو حاصل کر لے اور ان میں تناسب لا کر عدالت حاصل کر لے تو اس میں نفس کا کمال ہوتا ہے۔ اس تقسیم کو بعد میں آنے والوں نے ترمیم و اضافہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ابو حامد غزالی رحمہ اللہ نے ”احیاء علوم الدین“ میں تقسیم کچھ یوں کی ہے: قوتِ بہیمی، قوتِ سبعی، قوتِ شیطانی، قوتِ ربانی، بعض اس طرح

عبداللہ چکرا لوی صاحب نے ”برہان الفرقان علی صلاۃ القرآن“ میں ”مقصود و غرض نماز کے بیان میں“ باب قائم کر کے نماز کی غرض کے متعلق لکھا ہے:

الغرض فطرت اللہ سے مراد ہر ایک چیز کی وہ حالت ہے جس پر خدا تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ انسان، فرشتے اور جنوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایک خاص حالت پر پیدا کیا کرتا ہے۔ اس لیے یہ بھی فطرت اللہ رکھتے ہیں۔ انسان کو جس حالت پر خالق پیدا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں تین قوتیں رکھی ہیں: قوتِ بہیمی، قوتِ سبعی، قوتِ ملکی۔ انسان کا وجود ان ہی قوتوں کا مجموعہ ہے اور اسی مجموعہ کا نام فطرت اللہ ہے۔ (ص: ۴۳)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

فطرت اللہ کی محافظت سے یہ مراد ہے کہ ان ہر سہ قوی یعنی قوتِ بہیمی، قوتِ سبعی، قوتِ ملکی کو صحیح طور پر مطابق تعلیم کتاب اللہ استعمال کیا جائے، یعنی ان کو درجہ اعتدال پر رکھا جائے اور کسی قسم کی افراط و تفریط کا ان میں دخل نہ ہونے دیا جائے اور ان قوتوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہونے دی جائے۔ اسی کا نام اسلام (یعنی فطرت اللہ کو بچانا) ہے۔“ (ص: ۴۴)

مذکورہ بالا عبارت کے مضمون (یعنی قوی کے اعتدال) کو اکثر فلاسفہ اور نفسیات دان مذہب کی غرض سمجھتے ہیں، مگر اس کے لیے وہ مذہب اسلام کو خاص نہیں کرتے بلکہ کسی بھی مذہب کے ذریعے ان میں اعتدال آ جائے تو مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور تقریباً تمام مذاہب بالخصوص سامی مذاہب سے یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب کسی نہ کسی وعید، وعدہ اور عبادات پر مشتمل ہوتا ہے۔

تقسیم کرتے ہیں: قوت غرضی، قوت شہوانی، قوت ملکی۔

چونکہ یہ تقسیم فلاسفہ کی ہے اسی لیے فلاسفہ کی ایک جماعت کمال کے حصول کا طریقہ یہی بتلاتی ہے۔ حالانکہ اس تقسیم میں، اللہ کی محبت، اللہ کی حمد و ثنا، اللہ پر توکل، اللہ کے اسماء و صفات کی معرفت، توحید، رسول اللہ کی اتباع وغیرہ کا کوئی ذکر ہی نہیں جو درحقیقت نفس کو کمال بخشنے والے اعمال ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس تقسیم کو درست سمجھنے والوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ اس کو شرعی رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں جس طرح چکڑالوی (منکر حدیث) نے ان قوی کو ”مطابق تعلیم کتاب اللہ“ استعمال کرنے کی قید لگائی ہے۔ حالانکہ اس قید کے باوجود بھی یہ تعبیر ناقص اور دین کے مقصود کو تعبیر کرنے سے قاصر ہے۔ اور جو چیز نفس کو اصل کمال بخشی ہے اس پر دلالت کرنے والی نہیں۔ اگرچہ اس تعبیر میں حق بھی ہے۔

افلاطون وغیرہ تو علم توحید اور نبوی علوم سے آشنا نہیں تھے، اس لیے ان کے فلاسفہ اخلاق وغیرہ کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو بہت ناقص گفتگو ہوتی ہے، بلکہ تمام عاقل اس قسم کی گفتگو کرنے پر قادر ہوتے ہیں اور فلاسفہ کے کلام میں جو حق ہوتا ہے اس حق کو وہ ان کی راہنمائی کے بغیر جانتے ہیں۔

مگر نبوی علوم سے آشنا، پھر اُس امت کے لوگ جس کے نبی بہترین، واضح اور بین طور پر اصل کمال کو حاصل کرنے کے طریقے پر دلالت کرنے والے کلام کو لے کر آئے ان کی امت کے کچھ لوگ شریعت سے جہالت کی بنا پر فلاسفہ کی تعظیم اور ان کے کلام کی قدر کرتے ہیں حتیٰ کہ اسلام کو ان کی عبارات کے متعلق ڈھالتے ہیں۔ یہی حال اس معاملے میں ہے کہ عبد اللہ چکڑالوی اور دوسرے لوگ اسلام کا مقصد یہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اُن لوگوں میں سے جن کے نفوس سب سے زیادہ کمال والے، اور سب سے زیادہ سعادت کو حاصل کرنے کے حق دار تھے دنیا و آخرت میں یعنی سلف صالحین ان میں سے کسی نے بھی یہ کلام نہیں کیا، باوجود اس کے کہ جن چیزوں سے نفس کو کمال حاصل ہوتا ہے اس کو وہ بخوبی جاننے والے تھے۔ پھر رسول

اللہ ﷺ نے اس کی طرف کوئی راہنمائی نہیں کی، بلکہ عقلاً یہ تقسیم مکمل طور پر درست ہی نہیں۔

پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ ہر وہ چیز جو کسی امر کو لازم ہو ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اس امر سے مقصود بھی ہو۔ کوئی چیز لکھنا مقصود ہو تو اس کے لیے ہاتھ کو حرکت دینا لازمی ہے مگر حرکت مقصود نہیں، کسی چیز کا مشاہدہ کرنا ہو تو آنکھیں کھول کر دیکھنا پڑتا ہے حالانکہ مقصود آنکھیں کھولنا نہیں۔

اسی طرح کوئی چیز اگر مذہب کو لازم ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ مذہب کا مقصود بھی ہو یہ بھی لازمی نہیں ہوتا کہ اس میں انسان کا کمال مضمر ہو۔ ایک موحّد مسلمان اللہ تعالیٰ کے لیے دین کی دعوت دینا شروع کر دے، گلی گلی، کوچہ کوچہ دین کو پہنچائے، مصائب برداشت کرے، دین پر اعانت کے لیے مال کو خرچ کرے، ایسے شخص کی شہرت لازمی ہے اور اللہ کی رضا بھی، مگر صرف شہرت میں اس کا کمال مضمر نہیں۔ یہی کام اگر وہ شہرت کے لیے کرے تو شہرت تو حاصل ہو جائے گی مگر بجائے اس کے کہ یہ شہرت اور یہ خدمت اس کو کوئی حقیقی کمال بخشنے والا نقصان ہوگا اور اللہ کے ہاں ناپسندیدہ اور قابل مواخذہ ہوگا۔

انا اغنی الشركاء عن الشرك من عمل عملا
اشرك فيه معي غيري تركته وشركه .

(صحیح مسلم: ۷۴۷۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الله لا يقبل من العمل الا ما كان له
خالصا . (نسائی: ۳۱۴۲)

اللہ صرف وہی قبول کرتا ہے جو اس کے لیے خالص ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ
كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ
مِنْ نَّصِيبٍ﴾ [الشوری: ۲۰]

”جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے

اسے ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔“

اور فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَذْحُورًا﴾

[بنی اسرائیل: ۱۸]

”جو شخص اس جلدی والی (دنیا) کا ارادہ رکھتا ہو ہم اس کو اس میں جلدی وہ دے دیں گے جو چاہیں گے، جس کے لیے چاہیں گے، پھر ہم نے اس کے لیے جہنم بنا رکھی ہے، اس میں داخل ہوگا، مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا۔“

مزید فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَّهَا نُوْفٌ اِلَيْهِمْ اَعْمَالُهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ [ہود: ۱۵]

”جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو ہم انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی (دنیا) میں پورا دے دیں گے اور اس (دنیا) میں ان سے کمی نہ کی جائے گی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہو گیا جو کچھ انہوں نے اس میں کیا اور بے کار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔“

اگر یہ فرض کر بھی لیں کہ ان تین قوی کی تقسیم منحصر ہے اور انسان کی جمیع خصلتیں ان میں آگئی ہیں پھر بھی اگر کوئی شخص ان کے اعتدال کے لیے کوئی کام مذہب کے مطابق کرے تو بعض صورتوں میں ان قوی میں اعتدال تو آجائے گا مگر عبادت کا اصل مقصود اور اصل کمال اس کو حاصل نہ ہو پائے گا۔

یہ یاد رہے کہ اس کا انکار نہیں کہ انسان میں غضب کی قوت ہوتی ہے، شہوت ہوتی ہے، عقل کے کچھ اپنے تقاضے ہوتے ہیں، اس کا بھی

انکار نہیں کہ انسان میں جانوروں کی سی عادات بھی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَيْرٍ يَطِيْرُ بِجَنَاحِيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَلُكُمْ﴾ [الانعام: ۳۸]

”زمین میں کوئی چوپایہ کوئی پروں سے اڑنے والا پرندہ نہیں مگر وہ تمہاری مثل امتیں ہیں۔“

بعض علماء نے اس آیت کے بارے کہا ہے کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ انسان میں کچھ عادتیں کسی نہ کسی جانور کے مشابہ ہوتی ہیں۔ ابن قیم الجوزیہ نے ”مدارج السالکین: ۳۲۳۱“ میں، الالبیسی نے ”المستطرف فی کل فن مستطرف: ۲۷۲، ۲۷۵“ میں بعض لوگوں کی طبیعتوں میں جو جانوروں سے مماثلت پائی جاتی ہے اس کو بیان کیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے علم حاصل کر کے عمل نہ کرنے والے کی مثال ہاٹنے والے کتے کی بیان کی ہے۔ (الاعراف: ۱۷۶) سوان امور میں شک نہیں۔

ثلاثی تقسیم پر کلام:

ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ تقسیم درست ہے وہ اس طرح کہ قوتِ بھیی سے ان کی مراد زنا، بول و براز، حرص وغیرہ ہے۔ قوتِ سبھی سے مراد ظلم و زیادتی ہے اور قوتِ ملکی سے مراد رأفت، رحمت عبادت ہے۔ بول و براز صرف چوپایوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ درندے پرندے بھی اس سے متصف ہیں۔ حرص و طمع بھی جانوروں میں تقریباً مشترک چیز ہے۔ اس لیے بھیی اور سبھی کو ان اوصاف میں فرق کرنے کے لیے الگ کرنا باطل ہے۔

پھر فرشتوں میں صرف رحمت اور رأفت نہیں بلکہ اللہ کے لیے غیرت بھی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَا تُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾

[البقرة: ۱۶۱]

”بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے، ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ کی اور فرشتوں

اور لوگوں کی، سب کی لعنت ہے۔“

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت فلم تأتہ فبات غضبان علیہا لعنتها الملائكة حتى تصبح . (متفق علیہ)

”جب آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کر دے شوہر اس پر رات بھر غصہ ہو تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔“

اس کا مطلب ہے فرشتوں کا اصل وصف اللہ کے اوامر و نواہی کی پابندی اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے لیے کمال غیرت ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

[التحریم: ۶]

”فرشتے اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔“

انسان میں بھی خوبی تو یہی ہونی چاہیے بلکہ اس سے تو پتا چلتا ہے کہ اگر قوی کا ذکر کرنا بھی ہو تو یہ کہا جائے کہ انسان کو صرف ملکی ہونا چاہیے یعنی قوت ملکی سے متصف جو اللہ کا حکم ہو صرف وہی کیا جائے، جماع کا نکاح کے ذریعے شریعت نے حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تزوجوا الولود الودود فانی مكاثر بكم الامم . (نسائی: ۳۲۲۹)

”بہت محبت کرنے والیاں، بہت بچے جننے والیوں سے بیاہ کرو میں تم سے امتوں میں کثرت کے بارے فخر کروں گا۔“

جو اپنی بیوی سے جماع نہ کرے اس کے بارے علماء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک ایک طہر میں جماع کرنا لازمی ہوگا، بعض کے نزدیک بارہ دن بعض کے نزدیک چار دن و اگر نہ طلاق دینے پر مجبور کیا

جائے گا۔ کھانے پینے کا بھی اللہ نے حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

الْمُسْرِفِينَ﴾ [الاعراف: ۳۱]

”کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو، بے شک وہ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“

عبادت کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، رحمت و رفق کا حکم بھی دیا ہے اور عبادت ہر اس کام کے کرنے کا نام ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور یہی فرشتوں کی صفت ہے۔ سو نتیجہ نکلا کہ کھانا پینا، جماع کرنا اطاعت کے اعتبار سے ملکی صفت ہے تو یہ نہ کہا جائے کہ دین کا مقصود قوت بہیمی، سبعی اور ملکی کو اعتدال پر لانا ہے بلکہ کہا جائے کہ جس طرح فرشتے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں یوں ہی ہمیں اطاعت کرنی ہے۔ اس لیے جماع وغیرہ انسان اطاعت کے مطابق کرے تو ملکی صفات سے باہر بالکل بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح باقی اوصاف ہیں جن کو شریعت کے مطابق استعمال کرنے سے انسان بہیمی یا سبعی نہیں ہوتا۔

ثانیاً: ظلم و زیادتی درندوں سے خاص نہیں، چوپائے جو کہ حلال ہیں وہ بھی ظلم کرتے ہیں۔ سینگوں والی بکری طیش میں آ کر دوسری بکری کو مارتی ہے، اس کو چارہ نہیں کھانے دیتی، یہی کام درندے بھی کرتے ہیں۔ حدیث میں مذکور ہے:

ان الجماء لتقص من القرناء يوم القيامة .

(مسند احمد: ۵۲۰ قال شعيب حسن لغیره)

”سینگوں والی سے غیر سینگوں والی کے لیے قیامت کے روز قصاص لیا جائے گا۔“

مچھلی جو کہ حلال ہے چھوٹی حلال مچھلی کو کھا جاتی ہے یوں درندوں کو ظلم سے خاص کرنا غلط ہے۔ ہاں البتہ اگر سبعیت سے مراد زندہ جانور کو چیر پھاڑ کرنا ہے تو پھر ٹھیک ہے کہ اکثر چوپائے اس صفت سے متصف نہیں ہوتے اور یہی ان کے حلال ہونے کی ایک وجہ ہے۔ مگر اس صورت میں تو سبعیت انسان کے لیے بالکل روا نہیں۔

رحمت و رأفت کو فرشتوں سے خاص کرنا غلط ہے۔ بلکہ درندے، پرندے، کیڑے مکوڑے، پانی کے جانور سب اس سے متصف ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الله خلق مائة رحمة فانزل الله رحمة واحدة يتعاطف بها الخلائق جنها وانسها وبهائمها وعنده تسعة وتسعون .

(رواه احمد، رقم الحديث: ۱۹۰۰۶)

”اللہ تعالیٰ نے بلائے سو رحمتیں پیدا کیں ان میں سے ایک رحمت کو نازل کیا جس سے مخلوقات رحم کرتی ہیں جن و انس اور چوپائے اور نناوے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔“

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے:

جعل الرحمة مائة جزء فأمسك عنده تسعة وتسعون جزءا وانزل في الارض جزءا واحدا، فمن ذلك الجزء يتراحم الخلق حتى ترفع الفرس حافرها عن ولدها خشية ان تصيبه . (صحیح بخاری، رقم الحديث: ۶۰۰۰)

”اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو جزء بنائے، نناوے اپنے پاس روک لیے ایک جزء زمین میں نازل کیا۔ اسی جزء سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتیٰ کہ گھوڑی اپنے کھر کو اپنے بچے سے اٹھاتی ہے اس ڈر سے کہ اس کو چوٹ نہ لگ جائے۔“

یوں درندوں اور چوپایوں کو رحمت و رأفت سے متصف نہ کرنا غلط ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ رحمت کی عمومیت میں فرق ہوتا ہے، مثلاً: بعض درندے اپنے بچے کے علاوہ کسی پر رحم نہیں کرتے اور بعض دوسروں پر بھی رحم کرتے ہیں۔ انسان میں بھی بسا اوقات اتنا رحم آ جاتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت جو کہ جائز ہوتی ہے اس کو بھی پورا نہیں کرتا جیسا کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

انی ارحم الشاة ان اذبحها أو قال اذبح الشاة فارحمها فقال: الشاة ان رحمتها رحمتك الله . (الادب المفرد للبخاری: ۳۷۸ صحیح)

”میں بکری کو ذبح کرنے سے رحم کھاتا ہوں یا کہا میں بکری ذبح کرتا ہوں تو رحم آ جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر بکری پر بھی رحم کرو گے تو اللہ تم پر رحم کرے گا۔“

ثالثاً: بہت ساری صفات ایسی ہیں جو اس تقسیم میں نہیں آئیں جب کہ شریعت میں ان کے بھی آداب و ضوابط ہیں، مثلاً: تعجب کرنا، بننا سنورنا، شرمانا، رونا حالانکہ ان سب اوصاف کے شریعت میں ضوابط ہیں۔ سنگھار کے اپنے احکامات ہیں۔ شرماہٹ محمود بھی ہے، مذموم بھی۔ ہر چیز پر رونا اچھا نہیں اور بہت ساری باتوں پر نہ رونا مذموم ہے۔ ندامت کا بھی ذکر نہیں، گناہ پر ندامت اچھی ہے اور کمال نیکی ہے اس میں انسانی سعادت مضمر ہے جب کہ کسی گناہ کے نہ ہو سکنے پر حسرت گناہ سے بڑا گناہ ہے۔

رابعاً: ثلاثی تقسیم میں ان علوم کا ذکر نہیں جو افضل ترین علوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ [محمد: ۱۹]

”جان لو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔“

یہ وہ علم ہے جس کے بغیر سعادت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر اس سے مقصود جو کہ اللہ کی بندگی، اس سے محبت کرنا، اس پر توکل کرنا، اس سے ڈرنا، اس سے مدد طلب کرنا، اس کے اسماء و صفات میں غور و فکر کرنا، اس کے لیے دینا، اس کے لیے روکنا، اس کے لیے اپنی شہوات کو ترک کرنا، اپنی پسند کی چیز کو خرچ کرنا، اس کے لیے رونا وغیرہ ان اشیاء کا اس میں ذکر کہاں۔

گویا نہ ان علوم کا ذکر ہے جو کمال کو مستلزم ہیں اور نہ ان اعمال کا ذکر ہے جو کمال بخشتے ہیں۔ یوں اس تقسیم کا فائدہ کیا ہوا۔ درحقیقت فلاسفہ اور ان کے کلام کی قدر کرنے والے لوگ شریعت کے مقاصد کو ٹھیک طرح سے جان ہی نہیں پاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ليس منا من لم يتغن بالقرآن .

(صحیح بخاری: ۷۵۲۷)

”جو قرآن کے ذریعے سے غنی نہیں ہوا وہ ہم میں سے نہیں۔“

کلام بھی ہے۔ پھر اس کے بعد یہ بات بیان کی ہے کہ میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اس سے دل کس طرح رب کا شکر گزار اور احسان مند ہوتا ہے کہ جب نفس کی یہ خو ہے تو خطا لازمی ہے اور اس خطا کے بعد بھی رب العالمین بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

نفس لوامہ کا ذکر سورۃ القیامہ میں کیا ہے، فرمایا:
﴿لَا أُقْسِمُ بِبَيْتِهِ الْقِيَمَةِ ۝ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ
الْوَامَةِ ۝ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ۝﴾

[القیامہ: ۱-۳]

”نہیں، میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں نہیں، میں بہت ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں، کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم ہرگز اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے۔“
یہ نفس لوامہ خیر اور شردونوں پر ملامت کرتا ہے، مومن کے نفس کو بھی شامل ہے اور کافر کے نفس کو بھی، اسی لیے نفس لوامہ ذم اور مدح دونوں کو شامل ہے۔ جب کہ نفس امارہ ذم اور نفس مطمئنہ مدح کا لقب ہے۔ چونکہ اس ملامت کی صورت قیامت کے دن زبردست ہوگی اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو معاد کے اثبات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ نفس مطمئنہ کا ذکر سورۃ الفجر میں یوں کیا ہے:

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّمِينَةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبْدِي ۝ وَأَدْخُلِي
جَنَّتِي ۝﴾ [الفجر: ۲۷-۳۰]

”اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف راضی و مرضی ہونے کے ساتھ لوٹ جا، پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔“

جنت اور عباد کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے، پھر نفس کو مخاطب کرتے ہوئے رب کی نسبت نفس مطمئنہ کی طرف کی ہے، جس سے اس نفس مطمئنہ کے رب سے کمال تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

اس طرح یہ ثلاثی تقسیم پر معنی، درست اور اس لائق ہے کہ انسان اس میں تدبر کرے اور دیکھے کہ اس کا نفس کون سا ہے، نفس کو نفس مطمئنہ بنانے کی تگ و دو میں مشغول ہو۔ (جاری ہے)

اس حدیث کے بارے علماء کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ قرآن کے ذریعے باقی چیزوں سے غنی ہونا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف اور بعض سلف صالحین کا موقف یہی ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَوْ لَعَمْرِكُمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾ [العنکبوت: ۵۱]

”کیا ان کو یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔“

اسی آیت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے گزشتہ حدیث کی شرح اور معنی میں اپنے موقف پر دل پکڑی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید کمال کو اتم صورت میں بیان کرتا ہے جس سے کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ علوم اور اعمال دونوں کو کمال صورت پر بیان کرتا ہے۔ اسی لیے جس شخص کا قرآن مجید سے جتنا تعلق ہو، اس کے معانی کو سمجھے، اس میں تدبر کرے اتنا ہی وہ سعادت کے امور کو زیادہ جانتا ہے اور جو قرآن سے غافل ہو وہ سعادت کے امور سے بھی اتنا جاہل ہوتا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بھی نفس کی ثلاثی تقسیم کی ہے۔ نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ۔ یہ تقسیم بھلا فلاسفہ کی ناقص تقسیم سے کہاں۔ پھر اس تقسیم کا جس سیاق میں ذکر آیا ہے وہ بھی کمال ہے۔ نفس امارہ کا تذکرہ سورۃ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے یوں کیا ہے:

﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾ [یوسف: ۵۳]

”بے شک نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے بے شک میرا رب بہت بخشنے والا انتہائی رحم کرنے والا ہے۔“

اس آیت میں کتنی وضاحت سے یہ بات بیان ہوئی ہے کہ نفس کی سعادت کے لیے اللہ کا رحم لازمی ہے۔ پھر نفس کی اس صفت کو کتنی تاکید سے بیان کیا ہے۔ صیغہ بھی مبالغہ کا ہے۔ ”ان“ کے ساتھ تاکید

زیور سے زینت

ام عبدالمطلب

زیور عورت کا شوق:

اللہ رب العزت ایک ہے، اس کی نہ تو کوئی بیوی ہے نہ اولاد، کفار مکہ یہ ظلم کرتے کہ اکثر دیویوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے۔ رب حکیم نے کفار مکہ کی اس گستاخانہ غلطی اور بدترین شرک کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ کے لیے بیٹیاں گھڑتے ہو۔ بیٹیاں جو کہ زیوروں میں پرورش پاتی اور مقدمات اور جھگڑوں کے وقت کھل کر اپنا موقف تک بیان نہیں کر سکتیں:

﴿أَوَمَنْ يُنَشِّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾ [الزخرف: ۱۸]

”کیا وہ جو زیوروں میں پرورش پاتی ہے اور جھگڑے میں بات تک نہیں کر سکتی۔“

اس مقام پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں مشرکوں کے شرک کی تردید کی وہاں لڑکی کی یہ صفت بھی بتائی کہ اسے زیوروں میں پالا جاتا ہے، گویا زیور پہننا یا اسے پہنانا اسی کے لیے خاص ہے۔ اس کے مقابلے مرد لڑکا ہو یا جوان اسے زیور نہیں پہنایا جاتا اور نہ ہی پہننا چاہیے۔ بزدل مرد جو دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے اسے کہا جاتا ہے کہ چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھے رہو۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر لکھتے ہیں:

عورتیں بچپن سے لے کر مرتے دم تک بناؤ سنگھار کی محتاج سمجھی جاتی ہیں اور چونکہ بحث مباحثہ کے وقت مغلوب ہو جاتی ہیں۔ ان کی اس باطنی کمزوری کی تلافی زینت اور زیورات سے ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زیورات آرائش حسن کی کمی کو بھی پورا کر دیتے ہیں اور باقی کمزوریوں کو بھی۔ عورت کے لیے زیور سے زینت کرنا ہر معاشرے

میں اور ہر مذہب میں جائز رہا ہے۔ اسلام نے بھی عورت کو اس زینت کی اجازت دی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن میں نے سیدہ عائشہ بنت ابوبکر اور ام سلیم کو دیکھا، وہ دونوں اپنے کپڑے سمیٹے ہوئے تھیں اور میں ان کے پاؤں کی پازیب دیکھ رہا تھا وہ دونوں پانی کی مشکیں اپنی پیٹھ پر لاد کر لاتیں پھر زخموں کے منہ میں ڈال دیتیں اور پھر جا کر پانی بھر لاتیں اور لوگوں کے منہ میں ڈال دیتیں۔ (صحیح بخاری) یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے، نیز ہنگامی حالات میں عورت اپنا کپڑا تھوڑا سا اوپر کر سکتی ہے تاکہ پاؤں میں نہ اٹکے، چلنے میں آسانی رہے۔ ہنگامی حالات ہوں تو ناخمرموں کو بھی پانی وغیرہ پلا سکتی ہے لیکن اگر اس کام کے لیے مرد موجود ہوں تو پھر یہ کام مرد ہی کریں گے۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ یہ اوائل ہجرت کا زمانہ تھا، اس وقت ابھی مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور ستر مسلمان شہید اور ستر شدید زخمی ہوئے تھے۔ اس واقعے کو بنیاد بنا کر عورت کو مردوں پر نرس مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ اس روایت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ عورت کے لیے زیور پہننا جائز ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس نجاشی کے ہاں سے کچھ زیورات آئے جو اس نے آپ کو ہدیہ کیے تھے۔ ان میں ایک انگٹھی بھی تھی جس کا نگینہ حبشی انداز کا تھا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس انگٹھی کو ککڑی سے تھاما اور آپ اس سے اعراض کرنے والے تھے یا آپ ﷺ نے اسے اپنی انگلیوں سے پکڑا پھر (اپنی نواسی) زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا: بیٹا! یہ تم پہن لو۔ (ابوداؤد: ۴۲۳۵، ابن ماجہ: ۳۶۴۴)

پڑھا اور فرمایا:

یا معشر النساء: اما لکن فی الفضة ما
تحلین، اما انه لیس منکن امرأة تحلت ذهباً
تظهره الا عذبت به. (نسائی: ۵۱۴)
”اے عورتو! کیا تم چاندی کا زیور نہیں بنا سکتیں، دیکھو! تم
میں سے جو عورت سونے کا زیور پہن کر نمائش کرے (کتکبر
و فخر سے) تو اس کو عذاب ہوگا۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے
سونے کی پازیب پہنے دیکھا تو فرمایا: میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاتا
ہوں تو اس کو اتار دے اور چاندی کی پازیب بنوالے پھر اس کو زعفران
سے رنگ لے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو شخص اپنے پیارے (بیٹے، بیٹی، بیوی وغیرہ) شخص کو آگ کا حلقہ
پہنانا پسند کرے وہ اسے سونے کا حلقہ پہنادے، اور جسے یہ پسند ہو کہ
وہ اپنے پیارے کے گلے میں آگ کا طوق ڈالے تو وہ اسے سونے کی
ہنلی پہنادے اور جسے یہ پسند ہو کہ اپنے پیارے کو آگ کا کنگن
پہنائے تو اسے سونے کا کنگن پہنادے لیکن تم لوگ چاندی اختیار کرو
اور اس سے دل بہلاؤ۔ (ابوداؤد: ۴۲۳۶-۴۲۳۷-۴۲۳۸)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے
پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک عورت آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ!
میرے پاس سونے کے دو کنگن ہیں۔ آپ نے فرمایا: آگ کے دو
کنگن ہیں۔ وہ عورت کہنے لگی: یا رسول اللہ! ایک سونے کا طوق ہے۔
آپ نے فرمایا: وہ آگ کا ہے۔ اس عورت نے کہا: میرے پاس دو
بالیاں ہیں۔ آپ نے فرمایا: آگ کی دو بالیاں ہیں۔ راوی نے کہا:
اس عورت کے پاس سونے کے دو کنگن تھے، اس نے اتار کر پھینک
دیے اور بولی یا رسول اللہ! اگر عورت اپنا بناؤ سنگھار نہ کرے تو وہ خاوند
کے سامنے بے وقعت ہو جائے گی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم
میں سے کوئی یہ نہیں کر سکتی کہ وہ چاندی کی بالیاں بنوائے پھر اس کو

اس سے پتا چلتا ہے کہ بچیوں اور عورتوں کو زیور کا ہدیہ دیا جا
سکتا ہے۔

زیور میں تکلف اور اس کی محبت سے پرہیز:

زیور پہننا عورت کا حق ہے، اور مرد و عورت میں ظاہری امتیاز کی
علامت بھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ پسند کیا ہے کہ عورتیں قیمتی
خصوصاً سونے کے زیور کو اپنی پسند نہ بنالیں بلکہ معمولی زیور سے اپنا
شوق اور خواہش پوری کر لیا کریں۔ خصوصاً آپ نے اپنی بیویوں کی
ترتیب یہی کی کہ وہ قیمتی زیورات سے اجتناب کریں۔ جس کی وجہ یہ
بھی تھی کہ امہات المؤمنین تمام امت کی عورتوں کے لیے نمونہ تھیں،
اگر وہ دنیا کی زیب و زینت کی رسیا ہوتیں تو ہر عورت کے لیے اس
درجے کی زیب و زینت کا حصول ناممکن ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی
آیاتِ تنخیر کے ذریعے ان پر واضح کر دیا کہ یا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی
رفاقت چھوڑ دیں اور دنیا کی نعمتیں اختیار کر لیں یا دنیا کی نعمتیں چھوڑ کر
رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور آخرت کی دائمی عیش و عشرت کو اختیار
کر لیں۔ چنانچہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے نبی کریم ﷺ کی رفاقت
اور آخرت کے گھر کو اختیار کر کے دنیوی زیب و زینت اور مال و متاع
کو ٹھکرا دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارک کی روشنی میں مردوں کو چاہیے کہ
وہ عورتوں کو جنت کی زیب و زینت اور عیش و تفریح کی ترغیب دلائیں
اور عورتوں کو بھی چاہیے کہ امہات المؤمنین کی طرح دنیا کی بجائے
آخرت کو ترجیح دیں۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی
بیویوں کو زیور اور ریشم پہننے سے روکا اور فرمایا:

ان کنتم تحبون حلیۃ الجنة و حریرھا فلا

تلبسوها فی الدنیا. (نسائی: ۵۱۳۹)

”اور تم جنت کا زیور اور ریشم چاہتی ہو تو اسے دنیا میں
مت پہنو۔“

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ

زعفران یا عیبر سے زرد رنگ کرے۔ (سنن نسائی: ۹۴۴۳)

اس حدیث سے یہ لگتا ہے کہ عورت سونے کا زیور بھی پہنے وہ اسے آگ میں لے جانے کا باعث ہوگا۔ جب کہ دوسری کئی احادیث سے یہ پتا چلتا ہے کہ عورت کے لیے سونے کا زیور پہننا جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کی زکاة ادا کرتی رہے۔ البتہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عورت کو سستے اور معمولی زیور پہننے کی ترغیب دی اور اس کا طریقہ بھی بتایا تاکہ اس کے دل سے سونے کی محبت ختم ہو جائے۔ کیونکہ عورتوں کو سونے سے بہت محبت ہوتی ہے اور اس محبت ہی کی وجہ سے وہ سونے میں سے سونے کی زکاة ادا نہیں کرتیں، دور حاضر میں عورتیں سونے کی زکاة کرنی کی صورت میں ادا کر دیتی ہیں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اکثر عورتیں سونے کے زیورات پہن کر دوسری عورتوں پر اپنی مالی برتری کا اظہار کرتی ہیں۔ جس میں نمائش کے ساتھ فخر و تکبر کا گناہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے خواتین کو اس متوقع گناہ سے بچانے کے لیے یہ مشورہ دیا کہ وہ چاندی کے زیور کو پیلے رنگ سے رنگ کرے یا اس پر سونے کا پانی چڑھا کر سونا پہننے کا شوق پورا کر لیا کریں۔

سیدہ عائشہ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے میرے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھیاں دیکھیں تو فرمایا: اے عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں نے ان انگوٹھیوں کو زیب و زینت کے لیے پہنا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم اس کی زکاة ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہیں دوزخ کے عذاب کے لیے یہ کافی ہیں۔

(ابوداؤد: ۵۶۵، سنن دارقطنی: ۱۹۳۴)

سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں اور میری خالہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم دونوں ان کی زکاة ادا کرتی ہو؟ ہم نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم کو اس کا خوف نہیں ہے کہ اللہ تم

دونوں کو آگ کے کنگن پہنائے۔ تم دونوں ان کی زکاة ادا کرو۔

(مسند احمد: ۲۷۸۶۶)

ان احادیث سے یہ پتا چلتا ہے کہ عورت کو سونے یا کسی بھی طرح کے زیور سے زیب و زینت اختیار کرنا جائز ہے۔ جب کہ سونے اور چاندی کی وہ زکاة ادا کرتی رہیں۔ کیونکہ جب خاتون نے یہ کہا کہ میں نے اسے زیب و زینت کے لیے پہنا ہے تو آپ نے اس پر نکیر نہیں کی۔ رہی زکاة تو اس کی تاکید کی تاکہ سستی یا بھول کی وجہ سے سال گزرنے پر زکاة نہ رہ جائے۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر دل و جان سے عمل کرتے تھے اور وہ عورتوں کو زیور کی زکاة ادا کرنے کے بارے میں یاد دلاتے رہتے تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ تمہارے علاقے میں جو مسلمان عورتیں ہیں انہیں حکم دو کہ وہ اپنے زیوروں سے زکاة نکالیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷/۳)

سونے کی شرح زکاة ساڑھے سات تولے سونے میں سے اڑھائی فی صد ہے جب کہ چاندی کی شرح زکاة ساڑھے باون تولہ چاندی میں سے اڑھائی فی صد ہے۔

زیور اور سونے چاندی کی زکاة کے متعلق جاننے کے لیے دیکھیے:

زیور، زکاة اور خواتین۔ مطبوعہ مشربہ علم و حکمت

زیور پہننے کے لیے بدن کو چھیدنا:

زیور پہننے کا شوق پورا کرنے کے لیے عورتوں کے ناک، کان وغیرہ چھیدے جاتے ہیں، یہ رواج بہت قدیم ہے جس کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جاہلیت میں عورت کی قدر و قیمت انسانی حیثیت سے نہیں بلکہ حیوانی حیثیت سے تھی۔ لہذا جس طرح جانوروں کو نکیل ڈالی جاتی ہے ان کے پاؤں اور گلے میں مالا، ہار، گھنٹیاں، گھنگرو ڈالے جاتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی مختلف طرح کے زیور پہنا کر اسے سجا یا جاتا تھا۔ زیورات اس دور جاہلیت کے اسی خیال کی وجہ سے مروج ہوئے ہوں یا عورت کے اپنے ذاتی شوق نے اسے جسم کے مختلف حصوں پر زیور پہننے کا شوق چرایا ہو اور اس نے زیورات کے

تلاش کرنے گئے تھے انھیں ہار مل گیا لیکن ان کے پاس پانی نہیں تھا (کہ وضو کر کے نماز پڑھتے)۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیات نازل کیں۔ جنھیں سن کر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ کو بہترین بدلہ دے! واللہ جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ایسی صورت پیش آئی جس سے آپ کو تکلیف پہنچی، اللہ نے آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اس میں خیر پیدا کر دی۔ (صحیح بخاری: ۳۳۶، ۳۳۷)

دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ یہ ہار ظفار (مین کے شہر کا نام) کے مہرہ کا بنا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری: ۴۱۴۱)

زیور پہننا چونکہ عورت کی فطرت یا شوق ہے اس لیے وہ مستعار زیور لے کر پہن سکتی ہے بشرطیکہ اسے یہ معلوم ہو کہ وہ اس کی حفاظت کر سکے گی اور جلد ہی اسے استعمال کر کے واپس کر دے گی۔ کوشش یہ کرنی چاہیے کہ قیمتی زیور مستعار نہ لیے جائیں خصوصاً سونے کے۔ کیونکہ دورِ حاضر میں یہ خاص مہنگی دھات ہے۔ پھر اس میں دھوکا بھی ہو سکتا ہے، باہمی بدگمانیاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں، بلکہ طویل جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کوشش یہی ہونی چاہیے کہ معمولی زیور سے شوق پورا کر لیا جائے۔

زیور اور نمائش:
بعض عورتیں زیور پہن کر یہ چاہتی ہیں کہ انھیں اس حالت میں عورتیں دیکھیں اور پھر اس پر خیال آرائی کریں، مثلاً بہت پیارا لگ رہا ہے، کتنے میں بنوایا، وزن کتنا ہے، سوٹ کے ساتھ میچنگ اچھی لگ رہی ہے۔

عورتوں میں یہ بیماری عام ہے۔ یہی وجہ ہے وہ کسی تقریب میں یا کسی کے ہاں مہمان جاتے زیور ضرور پہنتی ہیں۔ بعض عورتیں زیور پہننے اور اس کے ساتھ پہننے جانے والے لباس میں اس چیز کا خصوصی خیال رکھتی ہیں کہ کپڑے پہننے ہونے کے باوجود دیکھنے والیوں کو زیور نظر آئے۔

نمونے اور انھیں پہننے کے لیے کان، ناک وغیرہ چھیدنے کی تدبیر کی ہو۔ بہر حال اسلام نے عورت کے کسی بھی زیور کو ممنوع قرار نہیں دیا سوائے اس زیور کے جس میں گھنگرو یا گھنٹیاں ہوں یعنی آواز پیدا کرنے والا زیور۔

سعودی عرب کے عالم جلیل ابن عثیمین سے جب یہ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ”لڑکیوں کے لیے ناک اور کان چھیدنا جائز ہے۔“ (فتاویٰ برائے خواتین اسلام)

مولانا ثناء اللہ مدنی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ مدنی) دراصل یہ متفق فیہ مسئلہ ہے کسی عالم نے بھی جسم کے اعضا کو زیور پہننے کے لیے چھیدنے کو معیوب قرار نہیں دیا۔

بعض لوگ بعض زیوروں کو ممنوع یا معیوب سمجھتے ہیں جیسے کہ علامہ البانی نے حلقے دار زیورات پہننے کو ممنوع کہا ہے لیکن اس معاملے میں ان کی رائے تنہا ہے، عہد رسالت سے لے کر آج تک امت کا تعامل یہی ہے کہ عورتیں اپنے اپنے علاقے کے رواج کے حساب سے یا اپنے ذوق کے مطابق ہر طرح کا زیور پہنتی ہیں وہ حلقہ دار ہو یا بغیر حلقہ کا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ننھ، بلاک اور جھومر ہندوؤں کا زیور ہے اس لیے مسلمان عورت یہ نہ پہنے۔ جب کہ یہ عوامی مسئلہ ہے۔ شریعت سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔

ابن عثیمین کہتے ہیں: عورت ہر وہ زیور پہن سکتی ہے جو عادتاً پہنا جاتا ہے چاہے اس کے لیے بدن میں سوراخ کرانا پڑے۔ (فتاویٰ برائے خواتین)

مستعار لے کر زیور پہننا:
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے (اپنی بہن) سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے ہار مستعار لے کر پہنا، اور آپ ﷺ کے ساتھ وہ ایک غزوہ بنو مصطلق سے واپس آ رہی تھیں۔ ذاتِ جیش مقام یا پیدا پر جب لشکر نے پڑاؤ کیا تو ان کا ہار گم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہار تلاش کرنے کے لیے بھیجا۔ اتنے میں نماز کا وقت آ پہنچا جو لوگ ہار

دوسرا اس سے بھی کئی گنا بڑا فتنہ غیر مردوں میں زیور کی نمائش کرنا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿وَلَا تَمْرُجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ [الاحزاب: ۳۳]

”اور جاہلیتِ اولیٰ کی طرح اپنی سچ دھج نہ دکھاتی پھرو۔“

عورتیں جاہلیتِ اولیٰ یعنی اسلام سے پہلے کے جاہلی معاشرے میں مروج بناؤ سنگھار، لباس، زینت اور جسمانی خدوخال کی طرح نمائش نہ کرتی پھریں اور جاہلیت کے عادات و اطوار نہ اپنائیں بلکہ جو احکام ستر و حجاب رب کریم نے عطا کیے ہیں ان پر پوری دلجمعی کے ساتھ عمل کریں۔ اسی میں ان کے لیے دنیا کی عافیت اور آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پاؤں کو زمین پر زور زور سے مار کر چلنے سے منع کیا اور فرمایا:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ

زِينَتِهِنَّ﴾ [النور: ۳۱]

”اور اس طرح سے پاؤں مار مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ

زینت ظاہر ہو جائے۔“

﴿مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ﴾ سے مراد پاؤں کی مہندی،
پازیب یا دیگر آرائشیں ہیں جن کو ظاہر کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

عورت پر واجب ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو اپنے پورے
جسم کو جلباب ایک بڑی چادر یا ڈھیلے ڈھالے سر سے پاؤں تک لمبے
برقعے میں اپنے آپ کو چھپالے تاکہ زیور، بناؤ سنگھار اور لباس غرض
ہر طرح کی زینت چھپ جائے اور جسم کے خدوخال بھی نمایاں نہ ہوں۔

اگر ہاتھ میں مہندی لگی ہو یا انگوٹھی اور کوئی دوسرا زیور ہو تو عورت کو
چاہیے کہ نامحرموں کے سامنے اپنے ہاتھ بھی چھپائے رکھے الا یہ کہ
انھیں ظاہر کرنے کی کوئی حاجت پیش آجائے، مثلاً: کرائے کے پیسے
دینا یا کوئی چیز وصول کرنا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: چہرے کے پردے
پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔

صحابہ کرام کو یہ علم تھا کہ عورتوں میں زیور، میک اپ اور لباس

زیور دکھانے کے لیے عورتیں بعض عجیب حرکتیں بھی کرتی ہیں، مثلاً:

○ بار بار چادر یا دوپٹہ ٹھیک کرنا تاکہ گلے میں پہنا ہوا زیور دوسروں کو
نظر آئے یا کانوں اور سر پر لگے ہوئے زیور نظر آئیں۔

○ ہاتھوں سے چوڑیوں کو ہلاتے رہنا یا ہاتھ اس طرح ہلانا کہ ان
میں کھنک پیدا ہو۔

○ ہاتھ کی انگوٹھی کو ہلاتے جلاتے رہنا۔

○ پیراٹھا اٹھا کر یا تیزی سے رکھنا تاکہ پازیب ظاہر ہو جائے اور
دوسروں کو نظر آئے۔

بیٹوں کی شادی پر بہو کو زیادہ زیور پہنانے میں بھی اکثر خواتین
میں یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے تاکہ لوگوں میں یہ چرچا ہو کہ دلہا والے
کھاتے پیتے ہیں تھی تو بہو کو اتنا زیادہ زیور ڈالا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نمائش کرنے اور شہرت حاصل کرنے کی نیت سے
پہننے اوڑھنے والوں کو ناپسند کیا ہے، اسے وہ بندے پسند ہیں جو نہ تو
مال کی بے جان نمائش کرتے ہیں اور نہ ہی ہونے کے باوجود تنگ دستی کا
اظہار کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا:

من لبس ثوب شهرة في الدنيا البسه الله
ثوب مذلة يوم القيامة ثم الهب فيه نارا .

(ابن ماجہ: ۲۹۰۶)

”جس نے دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے لیے لباس پہنا

اللہ اسے ذلت کا لباس پہنا کر اس میں جہنم کی آگ بھڑکا
دیں گے۔“

معلوم ہوا کہ جس طرح اترانے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے
لباس کسی مخصوص ہیئت کا پہننا باعث عذاب ہے اسی طرح زیور یا دیگر
چیزوں کا معاملہ ہے، چاہے زیور ہو یا کھانے کے برتن، گھر ہو یا فرنیچر،
دنیوی تعلیم ہو یا کوئی اور پیشہ۔

نمائش کا ایک فتنہ تو عورتوں میں زیور کی نمائش کرنا ہے جب کہ

جس کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے ان سے صحبت کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں جواب دیا: یا رسول اللہ! چاند کی چاندنی میں میری نظر اپنی بیوی کی پازیب پر پڑ گئی تو میں دل پر قابو نہ رکھ سکا۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے اور اسے حکم دیا کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس کے قریب نہ جائے۔

(ابن ماجہ: ۲۰۶۵، ابوداؤد: ۲۲۲۵، ترمذی: ۱۱۹۹)

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ عورت، چاندنی، زیور یہ ساری چیزیں مرد کے لیے باعث کشش ہیں۔ اسی لیے شریعت نے عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے یہ چیزیں ظاہر کرنے سے روکا ہے۔ دورِ حاضر میں رات کو شادیاں کرنے کا رواج عام ہے، جس کا اصل سبب رنگ دار روشنیوں میں اپنے لباس، زیور اور میک اپ کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں مصنوعی روشنی میں زیادہ چمکتی اور بھل لگتی ہیں۔ اس لیے خواتین کو چاہیے کہ رات کی تقریبات میں میک اپ، زیور اور بھڑکیلے لباس پہن کر نہ جائیں بلکہ سادہ کپڑے اور عام چہرے کے ساتھ جائیں۔ ان جگہوں پر کیمرے، مودی، مردوں کی تانک جھانک غرض اور چیزوں کا فتنہ بھی شامل ہو کر خطرناک اور مہلک شکل اختیار کر لیتا ہے۔ (جاری ہے)

اوقاتِ نماز کیلنڈر

اوقاتِ نماز کیلنڈر شائع ہو گئے ہیں۔ پنجگانہ نمازوں کی ادائیگی کا صحیح وقت دیکھنے کے لیے یہ کیلنڈر مساجد اہل حدیث میں فریم کروا کر لگائیں۔ بہ ذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے ۱۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

محمد جاوید محمدی، کیسٹ اینڈ سی ڈی سنٹر
ایوانِ علم بلازہ، اردو بازار، لاہور

دوسروں کو دکھانے کا غیر معمولی شوق اور جذبہ ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنی خواتین کے لباس، زیور وغیرہ پر کڑی نظر رکھتے اور گھر سے باہر جاتے ہوئے بھی ان کے سراپے کا ناقدانہ جائزہ لیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو خواتین کو گھر سے باہر جاتے ہوئے تاکید کرتے کہ وہ بناؤ سنگھار یا اچھے لباس کے ساتھ باہر نہ نکلیں۔ جب کہ احادیث سے عورت کے مسجد میں جانے کے احکام سے بھی یہی پتا چلتا ہے کہ وہ معمولی کپڑوں میں، بغیر خوشبو اور زیب و زینت کے مسجد میں جائے، الا یہ کہ ایسی زینت ہو جو ختم کرنی مشکل ہو، مثلاً: مہندی کا رنگ یا کانوں میں پہنا ہوا زیور وغیرہ۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

استعینوا علی النساء بالعرء فان احداھن اذا حسنت ثیابھا واحسنت زینتھا اعجبھا الخروج . (طبرانی عند عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما)
”عورتوں کو ننگا رکھ کر (یعنی کم کپڑے دے کر) ان پر مدد حاصل کرو، کیونکہ جب ان میں سے کسی کا لباس خوش نما ہوتا ہے اور سنگھار بہترین ہوتا ہے تو اسے گھر سے باہر نکلتا اچھا لگتا ہے۔“

عرب معاشرے میں زعفرانی رنگ یا پیلیے رنگ میں رنگا ہوا کپڑا باعث زینت سمجھا جاتا تھا اور مرد و عورت دونوں اسے شادی پر پہنتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے مردوں کے لیے زعفرانی رنگ ممنوع و حرام قرار دے دیا۔ جب کہ عورتوں کو پردے میں رہ کر گھر کی چار دیواری میں ہی اسے پہننے کی اجازت دی۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان کس قدر سچا ہے۔ دورِ حاضر میں بھی کافروں کے تہواروں، مہندی، مایوں، بسنت اور ویلنٹائن ڈے پر بھی رنگ پہنا جاتا ہے۔

بعض خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ زیور تو ایک عام چیز ہے، یہ پہنا ہو تو مرد کے لیے اس میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ یہ عورتوں کی غلط فہمی ہے۔ مردوں کے لیے عورت کے زیور پہننے میں اچھی خاصی کشش ہوتی ہے

محترم چودھری غلام حسین تہاڑیا

(ولادت ۱۶ جولائی ۱۹۲۳ء)

محمد اسحاق بھٹی

(مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۹ء) میں درج ہے۔ وقار الملک کا شمار سرسید احمد خاں کے بے تکلف دوستوں میں ہوتا تھا۔ وہ ۱۸۳۷ء میں امر وہہ (ضلع مراد آباد) میں پیدا ہوئے۔ نواب محسن الملک (مولوی مہدی علی خاں) کی وفات (۱۹۰۷ء) کے بعد علی گڑھ کالج کے سیکرٹری منتخب کیے گئے۔ ۱۹۱۷ء میں فوت ہوئے۔ ان سے بھی نماز کے متعلق کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا تو اس کا علم سرسید کو ہوا۔ انھوں نے ایک خط میں نواب وقار الملک کو لکھا:

”کوئی شخص اگر کہے کہ تم نماز نہ پڑھو، اس کا صبر ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سنی بھی نہیں جاسکتی..... کسی شخص کے منع کرنے سے نماز نہ پڑھنا یا سستی میں ڈالنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی بخشنا نہ جائے گا۔ تم کو پہلے ہی اپنی طرف سے ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی اور جب ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا تھا تو پھر الججنا اور گڑگڑانا کیسا۔“ حضور رخصت ہی دیں۔ تنخواہ کاٹ لیں۔“ کہنا واہیات ہے۔ تڑاق سے استعفا دے دینا تھا اور صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان، قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا، نہ کہ آپ کی۔ کیا ہوتا۔ نوکری نہ میسر ہوتی۔ فاقے سے مر جاتے۔ نہایت اچھا ہوتا۔“

یہ خط ۹ جنوری ۱۸۷۵ء کا تحریر کردہ ہے جو انھوں نے نواب وقار الملک کو بنارس سے ارسال کیا۔

نماز کے بارے میں سرسید کا ایک اور چند لفظی خط ملاحظہ فرمائیے! جو نہایت دلچسپ ہے۔ یہ خط بھی مکتوبات سرسید میں درج ہے۔ ایک

اب اسی قسم کا واقعہ مشہور اہل حدیث عالم و مصنف سید امیر علی ملیح آبادی (متوفی ۱۹۱۹ء) کے بارے میں سنیے جو اس فقیر نے اپنی کتاب ”قافلہ حدیث“ میں ان سے متعلق مضمون میں لکھا ہے۔ وہ ڈاک خانے میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ اٹھارہ انیس برس کی عمر تھی۔ ظہر کی نماز پڑھنے مسجد میں گئے۔ بعد میں ایک انگریز افسر ڈاک خانہ دیکھنے آیا۔ پوسٹ ماسٹر کو غیر حاضر پا کر خفگی کا اظہار کیا۔ ایک ملازم نے دوڑ کر انھیں مسجد میں اطلاع دی۔ وہ اس وقت وضو کر رہے تھے۔ اطمینان سے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ واپس آئے تو افسر نے اعتراض کیا۔ انھوں نے کوئی بات نہیں کی۔ اسی وقت ملازمت سے استعفا دے دیا۔ سید امیر علی ملیح آبادی اور چودھری غلام حسین تہاڑیا کے یہ واقعات نماز سے تعلق رکھتے ہیں جو دونوں کے عہد شباب میں پیش آئے۔ ان واقعات سے ان کے اسلامی کردار اور غیرت دینی کا پتا چلتا ہے، جس کا وہ برسر عام عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس قسم کا کردار بہت کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ اس موقع پر ناصر زیدی کے دو خوب صورت شعر ذہن میں آ رہے ہیں۔ معلوم نہیں، ان کا اس واقعہ سے کوئی تعلق بنتا ہے یا نہیں، لیکن میں یہاں درج کر رہا ہوں۔

حق بات کہوں برسر احباب و رقیباں

یہ حوصلہ مجھ میں مرے کردار سے آیا

مفقود ہے وہ عہد رواں کے شعراء میں

جو لطف مجھے میر کے اشعار سے آیا

یہاں ایک اور واقعہ بھی سنتے جاییے، جس کا تعلق نواب وقار الملک (مولوی مشتاق حسین) سے ہے۔ یہ واقعہ ”مکتوبات سرسید“

صبح کو ارد گرد کے دیہات سے آتے اور عصر کے بعد چلے جاتے تھے۔ اب قرآن وحدیث اور دیگر علوم دینی کے ساتھ انگریزی، ریاضی، تاریخ وغیرہ مضامین باقاعدہ پڑھائے جانے لگے تھے اور اس جنگل میں منگل کی خوش گوار فضا پیدا ہو گئی تھی۔ طلباء کی تقریری تربیت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔

اس وقت پنجاب کے دیہاتی دینی مدارس میں عربی اور فارسی عبارتوں کا ترجمہ بالعموم پنجابی میں کرایا جاتا تھا۔ مدارس کے اساتذہ و طلباء کی باہمی بول چال کی زبان بھی پنجابی تھی۔ لیکن ہم نے مرکز الاسلام میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنادیا اور آپس میں بھی اردو میں گفتگو کی جاتی تھی۔ خاص طور پر طلباء کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ اردو میں جاری رہتا تھا۔ اب تو صورت حال بالکل بدل گئی ہے۔ دیہات میں بھی ماں باپ بچوں کے ساتھ اردو میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس وقت یہ معاملہ نہ تھا۔ گھروں میں، سکولوں میں اور مدرسوں میں خالص پنجابی زبان کا سکھ چلتا تھا، لیکن ہم نے مرکز الاسلام کی ”سرکاری“ زبان اردو بنادی تھی۔

مرکز الاسلام کے قرب وجوار کے دیہات میں ہم نے ”تبلیغ“ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ میں اور چودھری صاحب چند طلباء کو ساتھ لیتے اور کسی گاؤں میں مغرب کی نماز پڑھتے۔ مغرب کے بعد حالات کے مطابق تقریریں کی جاتیں اور رات کو واپس آ جاتے۔ بعض اوقات لوگوں کے مجبور کرنے پر کسی گاؤں میں رات کو رہنا بھی پڑ جاتا تو فجر کی نماز پڑھ کر وہاں سے چل پڑتے اور گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں مرکز الاسلام آ جاتے۔

ایک شخص صوفی ولی محمد تھے۔ اونچے لمبے جوان۔ نیک آدمی۔ وہ ہمارے دوست بن گئے تھے۔ ان کے گاؤں کا نام تو مجھے یاد نہیں رہا۔ ایک مرتبہ وہ ہمیں وہاں لے گئے۔ رات کو ہم نے تقریریں کیں اور وہیں رہے۔ صوفی ولی محمد نے بڑے اخلاص کے ساتھ ہمیں گڑ کا حلوہ کھلایا۔ گڑ کی مٹھاس میں ان کے اخلاص کی مٹھاس بھی ملی ہوئی تھی۔ صبح کو شکر والی لٹی پلائی۔ ایک مرتبہ وہ لاہور آ کر مجھے ملے تھے۔

شخص نے سرسید سے استفادہ کیا کہ اگر نماز میں قرآن مجید کے اصل الفاظ کے بجائے ان کا صرف ترجمہ پڑھ لیا جائے تو آپ کے نزدیک کچھ قباحت تو نہیں؟

سرسید اس کا جواب دیتے ہیں:

”مخدومی! نماز میں قرآن مجید بلفظ نہ پڑھنے اور اس کا ترجمہ پڑھ لینے میں بجز اس کے اور کچھ قباحت نہیں کہ نماز نہیں ہوتی۔“

ملازمت کے دوران میں چودھری غلام حسین تہاڑیا کے نماز سے متعلق نزاکت احساس کا ذکر کرتے ہوئے ذہن اچانک سرسید کے خطوط کی طرف منتقل ہو گیا اور خواندگان محترم کو یکا یک ۱۹۴۴ء سے بہت پیچھے ۱۸۷۵ء میں سرسید کی مجلس میں جانا پڑا۔ ممکن ہے وہ سرسید کے بعض افکار کی وجہ سے اتنا لمبا سفر کر کے اس مجلس میں نہ چاہتے ہوں، لیکن کوئی بات نہیں، بعض کام چاہت کے خلاف بھی کر لیے جاتے ہیں۔

اب آئیے چودھری غلام حسین سے دوبارہ رابطہ کرتے ہیں۔ کنٹرولر آف ملٹری اکاؤنٹس کی ملازمت سے علیحدگی کے بعد انھوں نے اس مسئلے پر غور کیا کہ ایسا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جس میں طلباء کو بہ یک وقت دینی تعلیم بھی دلائی جائے اور عصری تعلیم سے بھی انھیں روشناس کرایا جائے۔ حسن اتفاق سے اس وقت آبادی سے دور مرکز الاسلام میں اس قسم کا ادارہ قائم تھا۔ اس کا ذکر انھوں نے مولانا معین الدین لکھوی سے کیا تو انھوں نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو انھیں خط لکھا اور وہ وہاں آ گئے۔ مرکز الاسلام کا قیام ۱۹۲۸ء کے لگ بھگ مولانا محمد علی لکھوی کی کوشش سے عمل میں آیا تھا۔ اس کی دو مرتبہ کے قریب زمین بھی تھی۔ جب چودھری صاحب وہاں آئے اس وقت مولانا محمد علی لکھوی تو مدینہ منورہ میں تھے، لیکن ان کے دونوں بیٹے مولانا محی الدین اور مولانا معین الدین وہیں تھے جن کی نظامت میں یہ ادارہ چل رہا تھا۔ اور میں اس میں مدرس تھا۔ اس میں تقریباً چالیس طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے، جن میں زیادہ بیرونی تھے اور کچھ وہ تھے جو

سے مل کر کتنے خوش ہوئے، اپنی خوشی کی لہر مجھ پر اس قدر غالب آ گئی تھی کہ مجھے اس کے متعلق ان سے پوچھنے کا بالکل خیال نہ رہا۔ لیکن میرا حسن ظن ان کے متعلق یہ ہے کہ وہ بھی مجھے دیکھ کر اور مجھ سے مل کر تھوڑا بہت ضرور خوش ہوئے ہوں گے۔ کئی دن ہم وہاں اکٹھے رہے۔ وہیں ان کے چھوٹے بھائی غلام نبی سے ملاقات ہوئی۔ یہ ان سے آخری ملاقات تھی۔ اس سے کچھ عرصہ بعد عین عالم جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

قیام پاکستان کے بعد چودھری غلام حسین اپنے خاندان سمیت موضع تلونڈی Talwandi (ضلع قصور) میں مقیم ہوئے۔ میں تو کچھ عرصے کے بعد گاؤں سے لاہور آ گیا، لیکن چودھری صاحب غلہ منڈی اوکاڑہ میں بطور کمیشن ایجنٹ کام کرنے لگے۔ یہ کام راس نہ آیا تو ستلج کاٹن نہر ہائی سکول (اوکاڑہ) میں سینکڑوں ماسٹر کی حیثیت سے پڑھانا شروع کر دیا۔ یہ خدمت ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک انجام دی۔ تقریباً چار مہینے میونسپل کمیٹی چوئیاں (ضلع قصور) کے سیکرٹری رہے۔ اس زمانے میں چوئیاں کی میونسپل کمیٹی کے چیئرمین ان کے ایک عزیز چودھری عبدالرحیم ایڈووکیٹ تھے۔

پھر لاہور آ کر پنجاب یونیورسٹی سے لائبریری سائنس کا کورس پاس کیا۔ میں اس زمانے میں ہفت روزہ ”الاعتصام“ کی ادارت پر مامور تھا۔ وہ میرے پاس شیش محل روڈ آیا کرتے تھے اور ان سے میل ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ لائبریری سائنس کا امتحان دینے کے بعد انھوں نے لائبریرین کے طور پر تیس سال سرکاری ملازمت کی۔ پہلی تعیناتی گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں ہوئی وہاں سات سال رہے۔ بائیس سال گوجران والا کے ایک کالج میں بسر ہوئے اور ملازمت کا آخری سال لاہور میں گزرا، پھر ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو ریٹائر ہو گئے۔ غالباً ۱۹۸۳ء میں ریٹائرمنٹ ہوئی۔

راولپنڈی کے جس کالج میں یہ لائبریرین مقرر ہوئے، اس کے پرنسپل کا نام ”جی احمد“ تھا۔ اس نے ان کے ساتھ اول روز ہی سے جو برتاؤ شروع کیا، اس کی وجہ سے انھوں نے اس کا نام ”جی احمد“ رکھا

مرکز الاسلام میں عصر کے بعد کھیل اور ورزش کا سلسلہ روزانہ بالائزام چلتا تھا۔ کھیل میں فٹ بال کو ترجیح دی جاتی تھی۔ بسا اوقات اس کھلے جنگل میں دوڑ کا مقابلہ بھی ہوتا تھا۔ ڈیڑھ من کا ”گمڈر“ بھی تھا، وہ بھی اٹھایا جاتا تھا۔ کھیل اور ورزش میں مولانا محی الدین اور معین الدین ضرور حصہ لیتے تھے۔ ان کی پولو کھیلنے والی قدر گھوڑی تھی۔ مولانا محی الدین رکاب میں پاؤں ڈال کر اس پر سوار نہیں ہوتے تھے، اُچھل کر اس پر سواری کرتے تھے۔

تین سال مرکز الاسلام میں میرا اور چودھری غلام حسین کا ساتھ رہا۔ میں نے ان کو مخلص دوست، ہم درد اور صالح فطرت انسان، مستعد اور ذمہ دار اہل علم پایا، لیکن انھوں نے مجھے کیسا پایا؟ اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ جانیں اور ان کا دل۔

جولائی ۱۹۴۷ء میں سالانہ چھٹیاں ہوئیں تو سب لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ۱۲ اگست کو ملک تقسیم ہو گیا اور پھر کچھ پتا نہیں تھا کہ کون کدھر گیا اور کس کے ساتھ کیا بیتی۔ اکتوبر کے آغاز میں ہم لوگ اپنے موجودہ گاؤں (ضلع فیصل آباد کی تحصیل جڑانوالہ) کے موضع چک نمبر ۵۳ گ ب منصور پور پہنچے۔ ہم تین برادریوں کے لوگ ایک ہی جگہ (کوٹ کپورہ ریاست فرید کوٹ) سے اس گاؤں میں آئے تھے۔ وہ برادریاں تھیں بھٹی، ملک اور رائیں۔ ہم سب ایک دوسرے کو جانتے تھے اور دادوں پڑدادوں کے زمانے سے ایک دوسرے کی غمی شادی میں شریک ہوتے چلے آ رہے تھے، لیکن میرا وہاں جی نہیں لگ رہا تھا۔ ایک دن پتا چلا کہ مولانا معین الدین لکھوی اور ان کے خاندان کے لوگ اوکاڑہ شہر اور اس کے گرد و نواح میں آ بسے ہیں۔ میں کسی نہ کسی طرح اوکاڑے پہنچا اور مولانا معین الدین اور دوسرے دوستوں سے اس طرح ملاقات ہوئی، جیسے صدیوں سے بچھڑے ملے ہوں۔ چودھری غلام حسین اور ان کے خاندان کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ خیریت سے پاکستان آ گئے ہیں۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ دوسرے دن چودھری صاحب اوکاڑہ آ گئے۔ بس پھر کچھ نہ پوچھیے کہ میں انھیں دیکھ کر اور ان سے مل کر کتنا خوش ہوا، اور وہ مجھے دیکھ کر اور مجھ

جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مظفر آباد کے ایک جلسے میں یہ حافظ صاحب ممدوح کے ساتھ تھے۔ کھانا کھاتے وقت دیکھا کہ وہاں زین العابدین بھی موجود تھا، جس نے تقسیم ملک سے قبل لاڑکانہ (سندھ) کے علاقے میں ان سے گاڑی پر سوار کرانے کی درخواست کی تھی، جب یہ مال گاڑی کے گاڑی کی حیثیت سے ریلوے میں ملازمت کرتے تھے۔ اس وقت انھوں نے زین العابدین سے وہی سوال کیے جولارکانہ کے علاقے میں کیے تھے، (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا) زین العابدین حیران تھا کہ انھیں میرے متعلق اتنی معلومات کیسے حاصل ہوئیں۔

ایک مرتبہ چودھری غلام حسین میرے پاس لاہور آئے اور بیمار ہو گئے۔ میں اس وقت اکیلا لاہور رہتا تھا اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام کی بلڈنگ میں جہاں اخبار ”الاعتصام“ کا دفتر تھا، مجھے رہائش کے لیے ایک کمرہ ملا تھا۔ چودھری صاحب کا علاج کرایا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ ایک دن مولانا داؤد غزنوی نے میواہسپتال کے ڈاکٹر ضیاء اللہ کے نام رقعہ لکھ کر مجھے دیا۔ میں چودھری صاحب کو ان کے پاس لے گیا۔ انھوں نے فوراً انھیں اسپتال میں داخل کر لیا۔ چند روز وہ اسپتال رہے اور اللہ نے شفا بخشی۔

چودھری غلام حسین کی شادی ۱۹۴۳ء میں ہوئی تھی۔ ان کے کئی بچے چھوٹی عمر میں وفات پا گئے تھے۔ بیوی بھی ۲۴ ستمبر ۱۹۹۵ء کو دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ یہ بہت بڑا صدمہ تھا جو انھیں پہنچا۔ صرف ایک بیٹی ہے، جس کی شادی پاکستان کے مشہور صحافی اور ادیب اسد اللہ غالب سے ہوئی۔ غالب صاحب دراصل ضلع قصور کے ایک گاؤں فتوحی والا سے تعلق رکھتے ہیں۔ فتوحی والا کو اس اعتبار سے تاریخی حیثیت حاصل ہے کہ یہاں ایک بزرگ صوفی ولی محمد سکونت پذیر تھے۔ ان کی صالحیت اور تقویٰ شعاری کے بعض عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں، جنہیں ان کی کرامات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صوفی ولی محمد رحمہ اللہ کی وابستگی سرحد پار کی جماعت مجاہدین سے تھی۔ وہ کافی عرصہ سرحد پار کے علاقوں میں رہے تھے اور انھوں نے

اور یہ نام پر پیل صاحب کی حرکات و سکنات اور عمل و سعی کے پیش نظر بالکل صحیح تھا۔

چودھری غلام حسین جس زمانے میں گوجراں والا میں لاہور برین کے طور پر خدمات سرانجام دیتے تھے، اس زمانے میں ہفت روزہ الاعتصام کا دفتر کچھ عرصہ گوجراں والا میں رہا تھا اور میں اس اخبار میں کام کرتا تھا۔ چودھری صاحب کی سکونت گھر جا کھ میں تھی۔ وہ کبھی کبھی میرے پاس دفتر ”الاعتصام“ آ جاتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ بعض اوقات گھر جا کھ چلا جاتا تھا۔ اس وقت ان کے گھر میں ایک خوب صورت نو جوان رہتا تھا جو ان کا رشتہ دار تھا اور گونگا تھا۔ وہ میرا دوست بن گیا تھا، میں اس کی اشاراتی انداز کی ہر بات سمجھ لیتا تھا اور وہ میری بات سمجھ لیتا تھا، یعنی ہمارا معاملہ اس طرح کا ہو گیا تھا کہ گونگے کی رمز میں گونگے کی ماں ہی سمجھے۔ جس مکان میں چودھری صاحب رہتے تھے، مجھے یاد پڑتا ہے، وہ ان کے خالو کا مکان تھا جو ریٹائرڈ نائب تحصیل دار تھے اور ادھیڑ عمر کے چھوٹی داڑھی والے گورے چٹے وجیہ شخص.....!

جماعت اہل حدیث کے علمائے کرام اور جماعت کی تنظیم سے چودھری غلام حسین کو ہمیشہ دلچسپی رہی۔ ایک مرتبہ جمعۃ المبارک کے روز جماعت کی تنظیم کے سلسلے میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور ان سطور کا راقم کھڑیاں خاص (ضلع قصور) گئے۔ چودھری غلام حسین بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ارد گرد کے دیہات کے بہت لوگ آئے تھے۔ جمعہ مولانا غزنوی نے پڑھایا اور تنظیمی سلسلے میں اس نواح کے لوگوں سے گفتگو ہوئی۔ نماز جمعہ کے کچھ دیر بعد ہم لوگ لاہور آنے کے لیے قصور چلے گئے اور چودھری صاحب اپنے مسکن تلونڈی کوروا نہ ہو گئے۔

راولپنڈی کی ملازمت کے زمانے میں وہاں کی جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح سے ان کے گہرے مراسم قائم ہو گئے تھے، چنانچہ آزاد کشمیر وغیرہ کے علاقوں میں جو تبلیغی جلسے منعقد ہوتے تھے، حافظ صاحب انھیں عام طور پر اپنے ساتھ لے

ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ شہر کی فضا اور اس ماحول سے ان کی طبیعت صلح کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ یہ تلونڈی کی کھلی فضا سے مانوس ہیں، اسی لیے اسے لاہور پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی مہربانی ہے کہ لاہور آئیں تو اپنے کسی نواسے (عام طور سے عمار چودھری) کے ساتھ غریب خانے پر ضرور تشریف لاتے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دیں کہ آزادی وطن سے پہلے ۱۹۴۷ء میں مرکز الاسلام کے چھوٹے سے مدرسے میں جدید اور قدیم تعلیم کی آمیزش کا محدود پیمانے پر جو منصوبہ شروع کیا گیا تھا، آج تقریباً ۷۰ سال بعد ملک گیر سطح پر حکومت بھی اس پر عمل کے لیے اصرار کر رہی ہے اور دینی مدارس کے ارباب اہتمام بھی سنجیدگی سے اس منصوبے کو بروئے عمل لارہے ہیں۔ پاکستان میں سب سے پہلے تقریباً ۵۵ برس قبل جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں اس پر عمل کا آغاز ہوا تھا اور مختلف اوقات میں بعض مسلمین کی خدمات حاصل کی گئی تھیں، اب معلوم نہیں کیا صورت حال ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمارے مخلص ترین دیرینہ دوست چودھری غلام حسین تھانڈیا کو خیر و عافیت سے نوازے رکھے، آمین یا رب العالمین۔

برصغیر کی آزادی کے لیے مجاہدین کے ساتھ مل کر انگریزی حکومت کے خلاف باقاعدہ جہاد کیا۔ اس جماعت کے لوگ فروری ۱۸۲۶ء میں مولانا اسماعیل شہید دہلوی اور سید احمد شہید رائے بریلیوی کی قیادت میں قبائلی علاقوں میں گئے تھے۔ آزادی برصغیر، یعنی ۱۹۴۷ء تک ایک سو اکیس سال یہ جماعت انگریزوں سے برسرِ پیکار رہی۔ فتوحی والا کے صوفی ولی محمد جماعت مجاہدین کے مشہور رکن تھے اور لوگوں سے بیعت جہاد لیتے تھے۔ اسی تحریک آزادی کو جس کی سرگرمیاں ایک سو اکیس برس کی طویل مدت میں پھیلی ہوئی ہیں، ”ہندوستان کی دہائی تحریک“ کہا جاتا ہے۔

یہ ایک الگ موضوع ہے۔ یہاں ”فتوحی والا“ کی وجہ سے یہ چند باتیں معرضِ تحریر میں آگئیں۔ دراصل میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ چودھری غلام حسین تھانڈیا کے تین نواسے ہیں سیف الاسلام، نعیم الاسلام اور عمار چودھری۔ ماشاء اللہ تینوں سعادت مند اور تعلیم یافتہ ہیں اور اخبارات میں کام کرتے ہیں۔

چودھری صاحب تلونڈی (ضلع قصور) میں سکونت پذیر ہیں اور وہاں کی جمعیت اہل حدیث کے صدر ہیں۔ ان کی بیٹی، داماد اور نواسے ان سے لاہور رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ لاہور آتے ہیں، لیکن جلد

خطبہ جمعۃ المبارک

28 جون 2013ء کا خطبہ جمعۃ المبارک دارالعلوم تقویۃ الاسلام 4- شیش محل روڈ لاہور میں جناب پروفیسر حافظ محمد ایوب صاحب ارشاد فرمائیں گے، ان شاء اللہ۔ (محمد حسن سعید، منتظم دارالعلوم تقویۃ الاسلام)

دعائے صحت

ممتاز عالم دین مولانا محمد اسلم جوئیہ (ساہی وال) صاحب فرما رہے ہیں۔ احباب دعائے صحت فرمائیں۔

(قاری محمد حسن سلفی، 134/9/L ساہی وال)

دورہ تجوید و قراءت مالدیپ

گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی فضیلۃ الشیخ استاذ القراء قاری محمد ادریس العاصم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند رشید قاری محمد ابوبکر العاصم رحمۃ اللہ علیہ (مدرس تجوید و قراءت المدرستہ العالیۃ تجوید القرآن لاہور) اور فضیلۃ الشیخ المقرئ نجم الصبح تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پندرہ قراء کرام کا وفد دورہ قراءت اور نماز تراویح کے لیے مالدیپ روانہ ہو گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا جانا آنا قبول فرمائے، آمین۔ (قاری شاہد محمود عاصم)

علامہ ابو محمد عبدالحق الہاشمی رحمہ اللہ اور ان کا خاندان

حمید اللہ خان عزیز

۱۹۴۹ء میں شاہ ابن سعود رحمہ اللہ کی دعوت پر بہاول پور کے قدیم شہر احمد پور شرقیہ کی سکونت ترک کر کے مستقل مکہ المکرمہ منتقل ہو گئے۔ اور حرم پاک میں درس و تدریس اور تحقیق و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ امام کعبہ الشیخ عبد اللہ بن السبیل رحمہ اللہ آپ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ انھوں نے درجنوں وقیع علمی، تحقیقی کتب و رسائل تصنیف کیے۔ مولانا موصوف کے ایک صاحبزادے الشیخ علامہ عبد الجلیل الہاشمی المعروف علامہ البوترا ب رحمہ اللہ موجودہ سعودی فرمانروا شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے پرسنل سیکرٹری اور سرکاری اخبار ”عکاظ“ کے چیف ایڈیٹر رہے۔ ان دنوں سعودی فرمانروا مکہ کے گورنر تھے۔ مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے ایک اور صاحبزادے علامہ عبد الوکیل الہاشمی رحمہ اللہ مکہ المکرمہ میں ان کی مسند حدیث پر فروعش ہیں۔

پاکستان میں ان کے جانشین علم بڑے صاحبزادے علامہ عبد الرزق فاروقی الہاشمی رحمہ اللہ تھے۔ آپ کا شمار شہرہ آفاق مبلغین میں ہوتا ہے۔ موصوف اپنے خاندان کی اعلیٰ علمی روایات اور پاکیزہ نسبتوں کے امین تھے۔ اس خاندان کی علمی، دینی و حدیثی خدمات کو راقم الحروف ”علامہ عبدالحق الہاشمی اور ان کا خاندان“ کے نام سے مرتب کر رہا ہے۔

اللہ کے فضل سے اس موضوع کا بیشتر حصہ مکمل ہو چکا ہے، اس سلسلے میں ریاست بہاول پور کی ۲۵۰ سالہ تاریخ کا مطالعہ کر کے اس خاندان کے مستند و متحقق حالات معلوم کر لیے گئے ہیں۔ جو اس کتاب میں شامل ہوں گے..... ان شاء اللہ!

لیکن حضرت مولانا عبدالحق الہاشمی رحمہ اللہ کی شخصیت کی جامعیت و حدیثی خدمات کی بنا پر یہ کام تثنیہ تکمیل محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے

سابق ریاست بہاول پور ۱۷۴۸ء میں معرض وجود میں آئی۔ اس کے فوراً بعد اہل حدیث کا پہلا قافلہ علامہ شیخ محمد ہاشم فاروقی رحمہ اللہ کی معیت میں ملتان شہر کی سکونت ترک کر کے ”دار السرور بہاول پور“ میں وارد ہوا اور بہاول پور کی تاریخ میں پہلی دینی درس گاہ ”مدرسۃ الحدیث“ کی بنیاد رکھی۔ تاریخ کے گم شدہ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ اسلامیہ یونیورسٹی اسی ”مدرسۃ الحدیث“ کا تسلسل ہے۔

شیخ محمد ہاشم فاروقی رحمہ اللہ برصغیر پاک و ہند کے معروف اسکالر، عالم اسلام کی نامور علمی شخصیت، محدث وقت، شیخ الاسلام علامہ ابو محمد عبدالحق الہاشمی العمری مہاجر کی رحمہ اللہ کے پردادا تھے۔ آپ کی خدمات گونا گوں سے ایک زمانہ واقف ہے۔ شیخ عبدالحق الہاشمی رحمہ اللہ کے دادا علامہ محمد فاروقی، مولانا غلام رسول قلعوی رحمہ اللہ کے ہم عصر بزرگ تھے۔ مولانا کی تحریک پر انھوں نے ریاست بہاول پور کے مشہور شہر اوج میں شرک و بدعات کی تردید میں علم توحید بلند کیا اور مخادیم اوج کی چیرہ دستیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ اہل علاقہ کی دینی تربیت کے لیے مدرسہ ”دار السنہ“ قائم کیا۔

مولانا عبدالحق الہاشمی رحمہ اللہ کے والد گرامی علامہ عبد الواحد الہاشمی نے مدرسہ ”دار السنہ“ کی آبیاری کی۔ آپ اپنے دور کے عربی فارسی کے مشہور عالم تھے۔ آں موصوف برصغیر ہند کے عظیم محدث میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ سے نسبت تلمذ تھے۔ ۱۹۵۲ء میں کم و بیش ایک سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا عبدالحق الہاشمی رحمہ اللہ نے ۱۹۲۵ء میں احمد پور شرقیہ میں ”مدرسۃ الحدیث“ قائم کیا۔ علامہ مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری، سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ و دیگر علمائے کرام نے ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کیے۔ موصوف گرامی

بقیہ: تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

﴿اَمْ مَنْ خَلَقْنَا﴾ میں ”من“ ذوالعقول کے لیے ہے۔ اسی لیے اس سے مراد فرشتے بھی لیے گئے ہیں۔ یہی قول امام سعید رحمہ اللہ بن جبیر کا ہے۔ بلکہ جنات بھی ذوالعقول ہیں اور پہلی آیات میں ان دونوں کا ذکر ہے۔ اس لیے یہاں یہ بھی مفہوم ہوگا کہ ان سے پوچھو کہ ان کو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا دوسری مخلوقات ملائکہ و جنات کو پیدا کرنا مشکل ہے۔ انھیں تو ہم نے چپکنے والی مٹی سے بنایا ہے۔ جب کہ ملائکہ کو نور سے اور جنات کو نار سے بنایا ہے۔ جب ہم اس بڑی طاقت و مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر ہیں تو انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں؟



حضرات شیوخ، علماء و بزرگان جماعت اور احباب سے درخواست ہے کہ وہ مولانا عبدالحق المہاشمی، ان کے اسلاف و اخلاف کے متعلق واقعات، ان کی کتب و رسائل اور علمی و تبلیغی زندگی کے متعلق کوئی مواد ہو تو مجھے اس سے مستفید فرمائیں۔ اس سلسلے میں اٹھنے والا ڈاک خرچ میرے ذمہ ہوگا۔ صرف ایک فون کر دیجیے گا۔ خود حاضر ہو کر لے جاؤں گا، ان شاء اللہ۔ اگر کوئی صاحب علم فون پر معلومات دینا پسند فرمائیں تو میں ان کا از حد ممنون ہوں گا.....!

مولانا عبدالحق المہاشمی رحمہ اللہ کے اخلاف میں سے اگر کوئی صاحب یہ اعلان پڑھیں۔ تو وہ ضرور رابطہ فرمائیں، بہت بہت شکریہ۔ رابطہ کے لیے ایڈریس نوٹ فرمائیں۔

حمید اللہ خان عزیز (ایڈیٹر ماہنامہ مجلہ ”تفہیم الاسلام“، توحید منزل، محلہ رحمان آباد (شکاری) گلی الفلاح بنک والی، احمد پور شرقیہ، ضلع بہاول پور۔ فون: 0302-2186601 / 0333-6357567

مخیر حضرات و احباب جماعت سے اپیل

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسجد جامع اہل حدیث محلہ قدیر آباد، ملتان شہر کی اوّلین اور قدیم مساجد میں سے ہے۔ جس کی بنیاد مولانا علامہ عبدالنواب محدث ملتانی رحمہ اللہ نے ربیع الاول ۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۸ء میں رکھی اور اس کی تعمیر کی۔

تقریباً ایک سو سترہ (۱۱۷) سال بعد جنوری ۲۰۱۱ء میں مسجد کی خستہ حالی کے پیش نظر اسے گرا کر نئی تعمیر کا آغاز کیا گیا۔ مسجد کا ہال 26x50 ڈل سٹوری، برآمدہ، صحن، وضو خانہ، لیٹرین باتھ، اسی طرح خواتین کے لیے علیحدہ سے باجماعت نماز ادا کرنے اور درس و تدریس کے لیے ایک ہال 35x25، برآمدہ، وضو خانہ، لیٹرین باتھ کا کچھ کام ہونا ابھی باقی ہے۔ اس کام میں اب تک تقریباً اسی لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ اب مسجد تکمیل کے مراحل میں ہے۔ اس وقت دیواروں پر ٹائلز، فرش کے لیے ماربل اور چھت کے لیے فالز سیلنگ (گراؤنڈ فلور ہال) اور فیسٹ فلور ہال میں پلستر سے لے کر ابھی تقریباً تمام کام باقی ہے۔ اور عورتوں کے ہال میں بجلی کی وائرنگ کا کام بھی ابھی باقی ہے۔

مخیر حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ مسجد کی تعمیر میں فراخ دلی کا مظاہرہ کریں تاکہ یہ کام مکمل ہو سکے۔ احباب کے تعاون کا شکریہ! اللہ تعالیٰ اپنے دربار میں قبولیت سے نوازیں اور ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

اکاؤنٹ میزبان بینک، چوک شہیدیاں، برانچ ملتان۔ 0504-02000001816

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبدالنجیر اویسی۔ فون نمبر: 0300-4240168

آہستہ آہستہ

جلیں گے اِس محلے کے چراغ آہستہ آہستہ
بدن کو روشنی بانٹیں گے داغ آہستہ آہستہ

اگر قطرہ بہ قطرہ خوں ٹپکتا ہے ٹپکنے دو
بھرے گا شامِ ہجراں کا ایام آہستہ آہستہ

جہاں تک چل سکو چلتے رہو تاروں کی چھاؤں میں
ملے گا چاند کا آخر سراغ آہستہ آہستہ

ابھی رُت سوچ کو منظر پہ لانے کی نہیں آئی
ابھی کچھ دن سلگنے دو دماغ آہستہ آہستہ

دیا کس کس طرح بجھنے سے پہلے تلملاتا ہے
ہجومِ غم سے ملتا ہے فراغ آہستہ آہستہ

سجائے ہیں نشیمنِ قصر شاہی کی منڈیوں پر
کہاں سے کس جگہ پہنچے ہیں زاغ آہستہ آہستہ

ہزاروں بارشیں ہوں سینکڑوں ساون لگیں راسخ
پنپتے ہیں تمناؤں کے باغ آہستہ آہستہ

(راسخ عرفانی)